

انتخاب المجالس

مرتبہ

جناب مرزا سجاد حسین صاحب ایم کام

ناشران

امامیہ کتب خانہ مغل ہوٹل

اندرون موچی دروازہ حلقہ لاہور

فہرست مضامین

صفحہ	اساتے گرامی علماء کرام	عنوان
۳	جناب مرزا سجاد حسین صاحب الیم کام	حرف آغاز
۵	جناب مولانا مولوی ابوالریاض سید عبدالواحد صاحب رضوی ایم اے کراچی شری	خطبات
۹	خطیب آل محمد شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم	مجلس اول
۲۱	عمدة العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مرحوم مجتہد	مجلس دوم
۳۷	سرکار سید العلماء مولانا سید علی نقی النقی مدظلہ	مجلس سوم
۵۶	سرکار مولانا سید سبط محمد ہادی صاحب قبلہ عرف مولانا مکن صاحب	مجلس چہارم
۷۷	جناب علامہ رشید ثرابی صاحب مدظلہ العالی اعلیٰ اللہ مقامہ	مجلس پنجم
۸۲	ذاکرافات فوات مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ	مجلس ششم
۹۷	جناب مولانا کرار حسین صاحب قبلہ مدظلہ	مجلس ہفتم
۱۱۱	عمدة الناطقین مولوی رضی الدین جیدر صاحب الیم اے	مجلس ششم
۱۲۳	عالیجناب مرزا سجاد حسین صاحب الیم کام	مجلس نہم
۱۴۱	زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام	زیارات
"	زیارت جملہ انصار و معصومین علیہم السلام	"
"	زیارت جناب امام رضا علیہ السلام	"
۱۴۲	زیارت حضرت صاحب العصر عجیل اللہ فرجہ	"

ابتدا ہوتی ہے تیرے نام سے !!

حرفِ آغاز

واقعہ کر بلا اپنی جاذبیت، تاثیر، اثر انگیزی اور ہمہ گیری کی وجہ سے ہمیشہ شعراء، مفکرین، متکلمین و واعظین کے لئے موضوع سخن بن رہا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ واقعہ کر بلا پر نظم و نثر اور تحریر و تقریر کے ذریعے جس قدر اظہار خیال کیا گیا ہے دنیا کے کسی واقعہ پر نہیں کیا گیا ہے۔ مگر کہ کر بلا پر جن طریقوں سے نذرانہ عقیدت پیش کیا جاتا ہے ان میں مجالس کا طریقہ نہایت مؤثر و مقبول ہے۔ مجالس میں اول اول تو صرف واقعہ کر بلا کے اہم انگیز، گریہ خیز اور رقت آمیز گوشوں کو پیش کیا جاتا تھا بعد میں اس کا دائرہ بڑھنے لگا۔ اور ذاکرین و واعظین واقعہ کر بلا کے اسبابِ علل، پس منظر اور نتائج سے بھی بحث کرنے لگے جس نے پورے اسلامی نظام کو اپنے دامن میں لے لیا۔ اور اب نئی اسلامی موضوع ایسا نہیں ہے جو مجالس میں نہ بیان کیا جاتا ہو۔ اس لئے مجالس کی افادیت، اہمیت اور ضرورت سے کوئی متنافس انکار نہیں کر سکتا۔

مجالس کے مسودات کے مجموعے اکثر و بیشتر منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔ جن میں سے بعض مجموعے ایسی مجالس پر مشتمل ہیں جن میں عصری تعاون کا بھی خیال رکھا گیا ہے اور ان مجالس میں ایسے موضوعات پر بیان کیا گیا جن کی عہد حاضر کو ضرورت

ہے۔ زیر نظر مجموعے میں جو مجالس شامل کی گئی ہیں، ان میں بھی اس بات کا خیال رکھا گیا ہے اور یہ مجالس انہیں مضامین سے متعلق ہیں جن میں زمانہ کے مقتضیات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ان مجالس میں فسکہ معاش کی اہمیت، اسلامی اخوت اور اہل بیت کی زندگی کے معاشی و معاشرتی پہلوؤں پر حسن و خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور ان موضوعات پر ذاکرین کی جو مجالس شائع کی جا رہی ہیں ان میں مشکل ہی سے کوئی پہلو تشنہ طے گادر نہ واعظین نے اپنے اپنے موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور بیان کا حق ادا کر دیا ہے۔

مزا سجاد حسین (ایم کام)

خطبہ ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا وَحَبِيبِ قُلُوبِنَا وَطَيْبِ نَفْسِنَا
وَشَفِيعِ ذُنُوبِنَا خَاتَمِ النَّبِيِّينَ أَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ الْمُعْصُومِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
عَلَى سَيِّدِ الْوَصِيِّينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ مَوْلَانَا عَلِيِّ ابْنِ أَبِي
طَالِبٍ أَسَدِ اللَّهِ الْعَالِبِ غَالِبِ عَلَى كُلِّ غَالِبٍ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ
وَعَلَى مَشْكُوفَةِ النَّبُوءَةِ وَالشَّمْسِ الرَّسَالَةِ الصِّدِّيقَةِ
الْكُبْرَى فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهَا وَعَلَى
سِبْطَيْنِ الرَّحْمَةِ سَيِّدَتَيْنِ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْحَسَنِ
وَالْحُسَيْنِ وَلَعَنَهُ اللَّهُ عَلَى أَعْدَائِهِمْ وَظُلَمَائِهِمْ
مِنْ يَوْمِنَا هَذَا إِلَى يَوْمِ الدِّينِ

اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیے جس کا
عنوان بیان کرنا ہو۔

خطبہ ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْعَالَمَ
بِأَنْوَارِ الْخَمْسَةِ وَخَلَقَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مِنْ أَنْوَارِ الْخَمْسَةِ وَ

جَعَلْنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِينَ يَأْذِيَالِ الْخُمْسَةِ وَشَرَفْنَا عَلَى
سَائِرِ الْأُمَمِ بِاللِّخْوَلِ لِرُمَّةِ أَوْلِيَاءِ الْخُمْسَةِ وَفَضَّلَ
مَجَالِسَنَا بِذِكْرِ فَضَائِلِ الْخُمْسَةِ وَأَضَاءِ قُبُورِنَا
بِضِيَاءِ أَنْوَارِ الْخُمْسَةِ وَأَدْخَلْنَا الْجَنَّةَ تَحْتَ لَوَاءِ
الْخُمْسَةِ وَصَلَّى عَلَى أَوْلِيهِمْ وَأَخْرَجَهُمْ وَالْعَيْنُ اللَّهُمَّ
عَلَى أَعْدَائِهِمْ وَظَالِمِيهِمْ مِنَ الْآنَ إِلَى ظُهُورِ أَنْوَارِ
الْخُمْسَةِ ۝

اسکے بعد بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیے جس کا
عنوان بیان کرنا ہو۔

خطبہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِدِينِهِ
الْمُبِينِ ۝ فَجَعَلْنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِينَ بِلَوْلَايَةِ حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ ۝ وَآلِهِ
الْهُدَاةِ الْمُهْتَدِينَ ۝ وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ
وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ الْمُخَاطَبِ بِطَهٍ وَبِلسَانِهِ الْعَرَبِيِّ الْمَيَامِينِ
لَا سِيَّامَا عَلَى ابْنِ عَبْدِ وَكَهْفِ عَلَيْهِ عِلْمُهُ يَعْسُوبُ الدِّينِ سَيِّدِ
الْوَصِيِّينَ مَوْلَانَا عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَأَبْنَاءِ أَهْلِ
الطَّبَقَيْنِ الطَّاهِرِينَ وَلَعَنَّ اللَّهُ عَلَى أَعْدَائِهِمْ أَجْمَعِينَ ۝
يَوْمَنَا هَذَا إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ۝

اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیے۔ جس کا
غزلان بیان کرنا ہو۔

خطبہ ۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اللَّهُمَّ اللَّهُ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَنَاشِرِ فَضَائِلِ مُحَمَّدٍ قَائِلِهِ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ
عَلَيْهِمْ فِي الطُّلُوفِ الْأَرْضِ وَجَارِعِلِ وَلَا يَتِيهِمْ عَلَى الْكُلِّ مِنْ
أَوْكِدِ الْقُرْصِ ثُمَّ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى ذَوِي الْأَنْفُسِ الطَّاهِرَاتِ
وَالْمُعْجَزَاتِ الْقَاهِرَاتِ النَّبِيِّ الْعَرَبِيِّ الْقُرَشِيِّ وَعَثَرَةِ الْمُهْدِينَ
الْهُدَاةِ وَلَعَنَةُ اللَّهِ عَلَى أَهْلِ الْفَجْرَةِ الْغَصَاةِ مِنْ أَوَّلِ
الْوَقْتِ إِلَى آخِرِ الدَّهْرِ وَالسَّاعَاتِ هـ

اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیے جس کا

خطبہ ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ خَالِقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِينَ -
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ النَّبِيِّينَ وَخَاتَمِ الْمُرْسَلِينَ قَالَ اللَّهُ
سُبْحَانَهُ فِي شَأْنِهِ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ - وَالسَّلَامُ
عَلَى آلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ الْمُتَّطَلِّعِينَ

وَلَعَنَهُ اللَّهُ عَلَىٰ أَعدَائِهِمْ وَغَاصِبِ حُقُوقِهِمْ وَمُنْكَرِ
فَضَائِلِهِمْ أَجْمَعِينَ وَالْجَنَّةَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالنَّارَ لِلْكَافِرِينَ
وَالْمُعَانِدِينَ ۝ أَمَّا بَعْدُ ۝

اے بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیے جس کا

عنوان بیان کرنا ہو۔

خطبہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ
الْعَظِيمِ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا وَحَبِيبِ قُلُوبِنَا
وَطَيْبِ نَفُوسِنَا وَشَفِيعِ دُئُوبِنَا أَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ
الْمَعْصُومِينَ وَلَعَنَهُ اللَّهُ عَلَى أَعدَائِهِمْ أَجْمَعِينَ ۝
مَنْ يَوْمَنَا هَذَا إِلَى يَوْمِ الدِّينِ - وَالْجَنَّةَ لِلْمُطِيعِينَ
وَالنَّارَ لِلْعَاصِينَ ۝ أَمَّا بَعْدُ ۝

اے بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت یا حدیث پڑھیے جس کا

عنوان بیان کرنا ہو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجلس اول

گلشن خطابت کے چہند پھول

(از خلیب آل محمد شمس العلماء مولانا سید بسط حسن صاحب رحم)
حدیث اعلیٰ خاتم میں یہ روایت یہ بتلاتی ہے کہ سائل نے پہلے اہل مسجد سے سوال کیا، کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس وقت وہ خدا کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے کہا بار الہا گواہ رہنا کہ میں نے تیری مسجد میں سوال کیا اور اب محروم واپس جاتا ہوں۔ یہ کہنا تھا اس کا کہ علی بن ابی طالب نے انگشت سے اشارہ کیا اور اس نے انگوٹھی اتار لی۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب تک وہ اہل مسجد سے سوال کرتا رہا علی خاموش کھڑے رہے۔ اس کے سوال کو پورا نہ کیا۔

بات تھی یہ کہ امیر المومنینؑ اس وقت حالت نماز میں تھے، رُوح بارگاہ قدس سے مستحق تھی دنیا والوں کی طرف جب تک سوال رہا حضرت کو خبر نہ ہوئی جب خدا کی طرف متوجہ ہوا آواز بلند ہوئی اور بارگاہ احدیت میں پہنچی بس اب علیؑ کی روح کو خبر ہو گئی اس نے جسم کو اشارہ کیا اور انگلی سائل کی طرف

متوجہ ہو گئی۔

حدیث میں ہے کہ اولادِ رسولؐ میں جتنے آئمہ متولد ہوئے سب کی پشت پر مہرِ نبوت کا نشان ہوتا تھا۔
اس حدیث کے متعلق مولانا نے ایک موقع پر بیان فرمایا کہ قاعدہ ہے کہ مہرِ جناب دے گی اتنا نشان اس کا گہرا اترے گا۔ کعبہ میں یہ مہرِ نبوت علیؑ کے پاؤں کے نیچے کچھ اس طرح دبی کہ جتنے وقت کتابِ نبوت کے تختے سب پر اُس مہر کا نشان ابھر آیا۔

حضرت حجتِ علیؑ اللہ فرمے کے متعلق ہے کہ جب متولد ہوئے تو آپ کی پشت مبارک پر دونوں طرف مہریں تھیں جن پر دو آیتیں نقش تھیں۔
اس کے متعلق ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ قاعدہ ہے مہرِ خاقیت پر ہوتی ہے رسالتِ مآب پر نبوت ختم ہوئی تھی اس لئے وہاں مہرِ خاقیت کی ضرورت پڑی۔
حضرت حجت اور تمام آئمہ معصومینؑ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین و قائم مقام ہیں ان تک دورِ نبوت رسالتِ مآب باقی تھا۔ اس لئے وہ مہرِ خاقیت برابر ان کے شالوں پر ہوتی رہی جس سے معلوم ہو کہ دورِ ایک ہی دور ہے اور زمانہ ایک ہی زمانہ لیکن حضرت حجت پر پھر یہ سلسلہ ختم ہو رہا تھا۔ اس لئے یہاں دو مہریں ہو گئیں ایک تو وہی مہرِ ختمِ نبوت ہے اور دوسری مہرِ ختمِ امامت۔

حضرت صدیقہ کبریٰ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عصمت کے بارے میں فرمایا کہ دیکھئے شبِ عید بچوں کے لئے اگر یہ کہہ دیا تھا کہ لباس تمہارا خیاط کے پاس ہے تو رموان جب آیا اس نے یہی کہا کہ درزی ہوں، بچوں کے کپڑے لے کر آیا ہوں یہ نہیں کہا کہ رموان ہوں تاکہ فاطمہ زہرا کی صداقت پر اثر نہ پڑنے پائے۔ (صلوٰۃ)

سورہ ہل اتنی کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ علی بن ابی طالبؑ نے تین روٹیاں دی تھیں تو خداوندِ عالم نے تیس آیتیں اتاریں۔ اِدھر سے گئی تھیں روٹیاں مگر ایسی پاک اور مقدس تھیں کہ میزانِ عدل میں آیاتِ قرآنی کے سوا ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ آسکی اور پھر مَن حَبَابَ بَا حَسَنَةً فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا تین روٹیاں دی تھیں اونیس آیتیں اس کے بدلے میں عطا ہوئیں۔

سورہ ہل اتنی میں سب کچھ ہے مگر حوروں کا تذکرہ اس منظر کے سامنے نازیبا اور غیر مناسب تھا۔

فِضۃ کا عمل کچھ ایسا پسند ہوا کہ لفظ "فِضۃ" کا تذکرہ سورہ میں صراحت کے ساتھ کر دیا گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بَِاَن لَّهُمْ

جَنَّةَ۔

اس آیت میں تو عام مومنین کے نفوس و احوال کی قیمت جنت قرار دی گئی ہے۔ پھر اب امیر المومنین کی جان کی قیمت کیا ہو سکتی ہے؟ کیا وہی جنت؟ ہرگز نہیں۔

اس جان کی قیمت اس سے بلند ہونا چاہئے۔ وہ رضائے الہی کے سوا کوئی چیز نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ۔
رضائے الہی کی عظمت یہ ہے کہ ارشاد ہوتا ہے۔ یہاں اَنْ مِنَ اللّٰهِ اَنْبِیَآءُ رَمَوْنَهُمْ فَرَقَّصْنَاهُمْ لَعْنَةً وَفَرَّغْنَاهُمْ مِنْ ذُلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ سِوَا الَّذِیْ نَخْتَارُ لِمَنْ نَّشَاءُ۔
اگر بڑے رموان پر تنوین تعقیل اور اس کے ساتھ ارشاد ہے کہ وہ بڑی سے بڑی چیز ہے۔

اور علی کو نفس کی قیمت میں مَرْضَاتِ اللّٰهِ کا مالک بنا دیا گیا۔ پھر جب مرضات اللہ کے مالک ہو گئے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جنت میں اختیار کی مثال جس کو چاہے جنت میں داخل کریں اور جس کو چاہیں ناریں۔ اس کے بعد مرضات الہی بغیر ان کے مل کب سکتی ہے۔ لاکھ زبان سے دعائیں کی جائیں رضی اللہ عنہ لیکن رضائے الہی تو اب ذات علی میں منحصر ہے۔ اسی بنا پر تو اور اسلام مرضی پسندیدہ خدا نہیں ہوا جب تک ولایت علی کا جزو شریک نہیں ہو گیا۔

الْیَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ وَرَضِيْتُ لَكُمْ
الْإِسْلَامَ دِينًا۔

امیر المؤمنینؑ اپنے نفس کو بیچ چکے تھے جیسی تو شبِ ہجرت بڑے اطمینان سے سوئے کہ اب جس کی ملک ہے وہ خود ہی حفاظت کریگا۔ اور اس نے حفاظت کی دو ملک سرنے کی طرف بھیجے گئے اور ڈوپائین پا اور وہ کہہ رہے تھے: بیچ لیج لٹ یا ابن ابیطالب من مثلك فان الله يباهي بك على الملئكة

جب علیؑ کا نفس فروخت ہو چکا تو وہ اب علیؑ کا کب رہا خدا کا ہو گیا۔ اب علیؑ کے ہاتھ یہ اللہ علیؑ کی آنکھ عین اللہ علیؑ کی زبان لسان اللہ علیؑ کا پہلو جنب اللہ اور علیؑ کا نفس نفس اللہ ہے۔ صلوٰۃ

شبِ ہجرت امیر المؤمنینؑ نے رسولؐ کے بستر پر آرام کیا رسولؐ کے چادر اوپر سے بھٹی۔

یاد رکھنے کے قابل ہے آج کی رات کا بچھونا اور خیبر کے دن کا تکبہ جب شکایت کی کہ میری آنکھیں رمد آلود ہیں۔ رسولؐ نے زانو پر اپنے علیؑ کا سر رکھا اور اپنا لعاب دہن علیؑ کی آنکھوں میں لگایا۔

انداز دیکھنے کے قابل ہے یہ نہیں کیا کہ اپنے دہن سے لعاب علیؑ کی آنکھ میں ڈال دیں بلکہ اپنی انگلی میں لے کر لگا رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دہن کی طریت جب خود دہن سے الگ ہو جائے تو وہ تھوک ہے اور دہن میں ہے تو لعاب ہے رسولؐ نے اپنی انگلی سے علیؑ کی آنکھ میں لگایا جس میں وہی انداز کہ جو قرآن

کے ورق گردانے میں ہوتا ہے۔

رجعت شمس کے متعلق بیان فرمایا کہ رسالت مآبؐ کے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا: ان کان علی ذی طاعتک وطاعة رسولک یدعوک اور عملی شہادتِ رجوع شمس کے ساتھ نص ہو گئی۔ امیر المؤمنینؑ کی عصمت پر۔ آفتاب کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ بوقتِ غروب خالق کے سجدہ میں ٹھجکا ہوتا ہے۔

یہ عجب نماز تھی جس کے لئے آفتاب کا سجدہ قطع ہوا اور وہ پلٹ کر اپنے اس نقطہ پر آیا جہاں عصر کے وقت پر ہوتا ہے۔ قابلِ مبارک باد ہے کہ وہ آج ٹھہرا ہوا علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نماز کی زیارت کر رہا ہے۔ ادھر نماز ختم اور پھر وہ مغرب کی طرف روانہ ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ نے دربارِ نرو میں کہا تھا: اِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالنَّاسِ مِنَ الْمَشْرِقِ نَائِیَاتٍ یَّهَامِنُ الْغَرْبِ اس کے معنی یہ تھے کہ خدا جس طرح آفتاب کو مشرق سے نکالتے پر قدرت رکھتا ہے اسی طرح مغرب سے نکالنے پر قادر ہے۔

ابراہیمؑ نے فقط دعویٰ کیا تھا۔ علیؑ نے اس کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا کہ دیکھو میرا خدا آفتاب کو مغرب سے بھی نکال رہا ہے۔

اسی لئے نماز پڑھی اور دعا کی یہ نہ معلوم ہو کہ آپ نے اپنی ذاتی قدرت سے ایسا کیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ رسالت مآب کے لئے چاند کا معجزہ ظاہر ہوا شوقِ اہلِ حق ہوا اور علی کے لئے آفتاب کا معجزہ رجعت شمس ہوا۔ حالاں کہ بظاہر مناسبت کا تقاضا تھا کہ آفتاب کا معجزہ رسول کے لئے ظاہر ہو اور چاند کا معجزہ علی ابن ابی طالب کے لئے مگر اس کا عکس ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ جہاں تاریکی کا زیادہ خوف ہے وہاں روشنی زائد ڈالی جاتی ہے۔ معلوم تھا کہ امیر المومنین کی نسبت اختلافات زیادہ ہوں گے اس لئے یہاں روشنی تیز کر دی گئی۔

واقعہ بت شکنی میں رسالت مآب نے امیر المومنین کے شانوں پر قدم رکھے تو امیر المومنین میں عنف کا اظہار ہوا اور حضرت نے فرمایا کہ تم بار نبوت اٹھا نہیں سکو گے۔

لوگ کہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں نے رسالت مآب کے بار کو اٹھایا اور شبِ ہجرت دور تک لے گئے تو امیر المومنین کے مقابلہ میں ان کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

مولانا نے اس کے متعلق فرمایا کہ جب کسی دو چیزوں میں جوہرِ حقیقت کا اشتراک ہوتا ہے اور پھر ایک دوسرے سے غالب تو دوسری شے میں اُس کا اثر ظاہر ہوتا ہے لیکن اگر جوہرِ حقیقت کا اشتراک ہو ہی نہیں سکتا تو کچھ نہیں مثلاً آفتاب کے مقابلے میں ہاتھ رکھ دیجئے۔ پاؤں رکھ دیجئے اس کی روشنی

کا کوئی اندازہ نہ ہو گا نہ خیرگی پیدا ہوگی نہ چکا چوند لیکن اگر آنکھ کو آفتاب کے مقابلے آئیے تو چوں کہ آنکھ میں خود نور و ضیاء ہے اس لئے وہ اپنے سے زیادہ ضیائی تاب نہ لا کر مضطرب ہوگی اور چکا چوند پیدا ہو جائے گی۔ بس یونہی وہ جو ہر رسالت جو حضرت رسولؐ آئیں و ولایت تھا اس کے ساتھ دوسرے افراد میں کوئی جہت اشتراک تھی ہی نہیں اس لئے اس کا کوئی وزن بھی محسوس نہ ہوا اور جہاں وہی جو ہر مشترک موجود تھا اس نے اس کی طاقت کا احساس کیا اور وزن معلوم ہوا۔

حضرت موسیٰؑ برقی تجلی کی تاب نہ لا سکے اور غش کھا کر گرے۔ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کر و دین میں سے ایک فرشتہ کے چہرہ کی چھوٹ تھی۔ جس نے نقاب سر کا دی تھی اس سے موسیٰؑ کا یہ عالم ہوا۔
مگر کیا کہنا ہمارے رسولؐ کی قوت نگاہ کا کہ معراج کی شب کو بین کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

تیرہ رجب کے موقع پر شب کو مسجد تحسین والی صحبت میں ایک سال اس آیت سے ابتدا کی **وَلَوْ اَنْزَلْنَاهُ عَلَیْكَ جِبِلًّا مِّنَ الرَّايَةِ** خاشعاً متصدعاً من خشية الله اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو وہ خدا کی عظمت کے احساس سے شق ہو جاتا۔
انھوں نے کہا کہ معلوم ہوا حقیقی قرآن کی تاثیر یہ ہے کہ جمادات شق

ہوتے ہوئے نظر آئیں۔

انہوں نے اس کے متعلق بیان کو ضبط دیتے ہوئے حضرت موسیٰ کے لئے دریا کا شق ہونا اور پھر میں شگاف پیدا ہو کے چشمہ پھوٹنا اور رسولؐ کے لئے ماہتاب کا دو ٹکڑے ہونا اس سب کو بڑے لطف کے ساتھ بیان کیا پھر کہا کہ جس طرح شق دریا موسیٰؑ کا اعجاز تھا۔ شق قر محمد مصطفیٰؐ کا اعجاز اسی طرح شق عباد کعبہ علیؑ کا اعجاز تھا اور یہ اس آیت الہی کی عظمت تھی جس نے دیوار کو شگاف کر دیا۔

مصائب کے سلسلہ میں حضرت سید الشہداءؑ جناب علیؑ اصغرؑ کو میدان جہاد میں لاکر کیوں شہید کر دیا۔ شاید اس لئے کہ ماں بہنوں کی تو مشکیں پس کرے دن سے بندھی ہوں گی۔ علیؑ اصغرؑ کی زندگی کی کیا سورت ہوگی۔

جناب علیؑ اکبرؑ حجب گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے آواز دی۔ یا ابی علیؑ منی السلام ہذا جدی رسول اللہؐ تدا سقانی بکاسہ الاوفیٰ۔ جناب علیؑ اکبرؑ نے سلام الٹ کیوں دیا۔ سلام علیک کیوں نہ کہا۔ اس لئے کہ سوال آب کے موقع پر باپ کی زبان کو دیکھ چکے تھے کہ اپنی زبان سے زیادہ خشک۔ اس لئے سلام میں جواب کا انداز اختیار کر لیا کہ امام کو جواب نہ دینا پیڑے پھر یہ کیوں کہا کہ ہذا جدی رسول اللہؐ تدا سقانی بکاسہ الاوفیٰ۔ اس لئے کہ امام سے پانی کا سوال کر چکے تھے اور جانتے تھے کہ امام

کے دل پر میری پیاس کا اثر ہو گا تو چاہا امام کو تسکین دے دیں کہ بابا میری پیاس کا خیال نہ کیجئے گا۔ میرے نانار سالت مائت نے مجھ کو سیراب کر دیا ہے جناب عباس نے امام حسین کو اس وقت آمازدی جب پانی مشک کا بہ چکا اور گرز سر پر لگ چکا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اے مولا آپ نے اس وقت بھائی کو کیوں نہ پکار لیا جب دونوں ہاتھ قطع ہو گئے کہ پانی تو حیمہ میں پہنچ جاتا۔ تو شاید جناب عباس جواب دیں کہ پکارنا کیونکر؟ مشک کا تہ تو دانتوں میں تھا۔

حضرت سید الشہداء کے سہ مبارک نے بازارِ کوفہ میں سورہ کہف کی تلاوت کی۔ بات یہ ہے کہ مجمع نامحرموں کا وہاں بہت تھا حضرت نے سورہ کی تلاوت اس لئے شروع کر دی کہ لوگ میرے سر کی طرف دیکھنے میں محو ہوں اور بہن کا پردہ محفوظ ہو جائے۔

شب عید حسنین کے لباس مانگنے کی روایت بہت اثر کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اور ربط کے الفاظ اُن کے یہ تھے کہ ”من کے ساتھ انسان کی خواہشیں بھی بدلتی ہیں اس زمانہ میں سیدہ عالم سے لباس نو کی خواہش کی اور روز عاشور بہن سے لباس کہنے کی فرمائش کی“

جناب مولوی چھبن صاحب مرحوم لکھنؤ کے ایک بڑے مقدس ہر دل عزیز

واعظ اور مقبول ذاکر حضرت سید الشہداء تھے۔ ان کا انتقال ہوا تو پہلی مجلس مولانا سید بسط حسن صاحب مرحوم نے پڑھی یہ فقرہ ان کا اب تک لوگوں کو یاد ہے کہ مرحوم کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے زندگی میں جب بھی راستے میں ملے۔ اُن سے کہا اُگے چلنے کبھی آگے چلنا پسند نہ کیا مگر اب نہ معلوم کیا تھا کہ تابوت میں آگے آگے جا رہے تھے۔ اس فقرہ سے مجلس میں وہ کہرام تھا جو پورے مصائب کے تذکرہ میں ہو سکتا ہے۔

بعض چیزیں ایسی ہیں کہ سب سے پہلے انھوں نے بیان فرمائیں اور اس پر لطف انداز سے کہ جو انہی سے مخصوص ہو گیا۔ ان میں خاص چیز نعل "شہد کی مکھی" کے حالات کا تذکرہ ہے۔ ان کا خاص موضوع تھا اور اس کو نہایت بسط سے بیان کرتے تھے اور اس طرح کہ اہل مجلس محو ہو جاتے تھے۔ اور وہ کچھ ایسی چیزیں تھیں کہ قلم انکی مصوری سے قاصر ہے۔

جنگ خیبر کے بیان کا اندازہ اُن کا زالا تھا۔ اگر وہیں مزار جناب شہید ثالث کی مجلس میں ایک مرتبہ یہ کہہ کر پڑھے کہ مجلس کا صفحہ آج تاریخ کا ورق ہو گا۔ اور پھر خیبر کی لڑائی اس یادگار طریقہ سے بیان کی کہ مجلس حقیقتہً تاریخ کا ایک یادگار ورق بن گئی۔ لعابِ دہن لگانے کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتے تھے "آبِ وحی میں حل کیا ہوا سرمہ آنکھ میں لگایا"

مصائب وہ کبھی سخت نہیں پڑھتے تھے فقرے ہوتے تھے کہ جن لوگوں کو برالتے تھے اور نشتر کا کام کرتے تھے۔ جیسے جناب علی اکبر جب نصرت ہو کے چلے تو امام حسینؑ پیچھے پیچھے کچھ دور تک تشریف لے گئے اس طرح کہ جتنا علی اکبر کا گھوڑا تیز ہوتا جاتا تھا، امامؑ کی رفتار بڑھتی جاتی تھی یہ جب انھوں نے بیان کی ہے تو مجلس میں تلاطم ہو گیا۔ کٹہہ کی ایک مجلس میں جو شب کے وقت ہوتی ہے انھوں نے بیان فرمایا کہ امامؑ کے گلے

خون جاری ہوا اس سے زمین پر تجریر ہو رہا تھا
 سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيُّ مُنْقَلَبٍ
 يَنْقَلِبُونَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلس دوم

شام غزیاں

از عمدة العلماء مولانا سید کاظم حسین صاحب قبلہ مجرم (مجتہد)
 شام غزیاں میں میری زبان سے پورے انہماک کے ساتھ میرا بیان
 سننے والے خصوصاً حاضرین مجلس آپ جانتے ہیں کہ میں کئی ماہ سے بیمار
 ہوں، نہ دماغ کام کرتا ہے نہ دل، آواز بھی میری مدد کرنے سے منکر
 ہے۔ اس عالم میں میں کیا کہوں اور کیونکر کہوں، بہت سا تھ چھوڑ
 رہی ہے۔ قوت جواب دے رہی، حافظہ مدد کرنے پر تیار نہیں ہے
 کس سے کہوں کہ مجھ کو کچھ بتادو۔ کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ
 ”ہم نے واقعات کو بلا اپنی آنکھوں سے دیکھے“

ہاں یہ ٹھنڈی روشنی ڈالنے والا چاند، یہ ستاروں کی بزم میں
 گردش کرتا ہوا مہتاب بنا سکتا ہے، حالات کو بلا سنا سکتا ہے، اچھا تو
 اسے شب کے پردے میں سفر کی منزلیں طے کرنے والے تو ہی بتا کر یہ
 حسین کون مانتے؟ کیوں کہ بلا میں آئے تھے۔ کس نے ان کو شہادت کی
 منزل تک پہنچایا۔ یہ شام غزیاں کا منظر دنیا میں کیونکر پیش آیا؟
 سینے یہ آپ کا روشن ستارہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ پوچھنے والے

تو نے مجھ کو چھپر کر میرا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ میں تو ستاروں کے اشکوں
 سے خود ہی رو رہا تھا۔ تو نے مجھ کو اور رُلا دیا۔ دریافت کرتا ہے تو سُن لے
 کہ حسینؑ ابن علیؑ جن کے ماتم کی صف ہر دوست کے گھر میں بچھی ہوئی ہے
 رسولِ عربیؐ کے بڑے محبوبؑ تو اسے تھے۔ ان کی صاحبزادی فاطمہؑ زہراؑ
 کے دل کے ٹکڑے تھے۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نورِ نظر تھے، نانا کی آغوش
 تربیت میں رہ کر اسلام کی تحمِ پاشی دیکھ چکے تھے، باپ کی جاں فشانیاں
 پیشِ نگاہ تھیں، ماں کی گود میں آکر اسلام سے محبت، مسلمانوں پر رحمت
 بروقت دین اسلام کی حفاظت کی فکر دیکھ چکے تھے، رسولِ اسلامؐ نے بھی
 مختلف صورتوں سے دکھلا دیا کہ اسلام کی حفاظت کیونکر کی جاتی ہے۔
 سابلہ کے میدان میں لا کر سمجھا دیا تھا کہ اسلام کی حقیقت کا ثبوت کیونکر پیش
 کیا جاسکتا ہے۔ کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہ تھا کہ اسلام کے بعض دشمن کس
 طرح اسلام کی نقابیں چہروں پر ڈال کر اسلام کے شادینے میں کوشاں ہیں
 تو حسینؑ کی نگاہوں سے کیونکر پوشیدہ رہتا وہ خوب جانتے تھے کہ سچا مسلمان
 کون ہے؟ منافق کون ہے اسلام کی پرورش کرنے والا کون ہے۔ اسلام
 کی بقا کا دشمن کون ہے پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد ہر منظر حسینؑ کی نگاہ سے
 گذرا مگر باپ کی سرپرستی میں انھیں کے طرزِ عمل پر گامزن رہے۔ باپ کی خانہ نشینی
 بھی دیکھی اور سلطنت کے دور پر بھی غور کی نگاہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ
 علیؑ نے بے قلم و ستم شہادت پائی۔ اب بڑے بھائی کے طرزِ عمل کو دیکھا۔
 ان کی بھی زہر سے شہادت ہوئی۔ مگر حسینؑ نے باپ، بھائی کے طرزِ عمل

کوفے جاؤں۔ مجھ نے اصرار کیا، حسینؑ نے انکار کیا۔ امام حسینؑ کے دوستوں نے عرض کی مولا ان سے لڑ لینا، ابھی آسان ہے حکم دیکھتے تو لڑیں۔ فرمایا ہرگز نہیں ہم جنگ کی ابتدا نہیں کریں گے۔ اس کے بعد حسینؑ نے قافلے کو روانہ کیا حکم دیا۔ قافلہ کا رخ کہ بلا کی طرف موڑ دیا گیا۔ اس طرح حسینؑ اس کہ بلا میں پہنچ گئے جہاں آج کی تاریخ شام غزیاں کا منظر دل شکن تھا۔

اے میرے پر نور سیارے اے فلک کی منزلوں سے گزرتے ہوئے مہتاب بھی کچھ نکھوں دیکھا حال اور بھی تو بیان کر دے۔

اچھا سنو۔ کہ بلا کی نہر نے حسینؑ کو قریب آنے کی دعوت دی۔ باغوں کے سائے اپنے دامن میں خیمے گوانے کی تمنا پیش کی۔ غبارے اڑا کے استقبال کیا۔ مگر لشکرِ حر کے روکنے سے حسینؑ چیل میدان۔ بے آب و گیاہ زمین پر اتر پڑے۔ راتوں پر راتیں اور دنوں پر دن گزرنے لگے۔ لشکروں کی کثرت بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ، رحرم سے لشکر نے پانی بھی بند کر دیا۔ آٹھ گزری۔ نو گزری اور شب عاشور آئی۔ آہ میں فلک کی بلندی سے دیکھ رہا تھا کہ حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ مگر میں نے بہت غور سے دیکھا کہ عورتوں میں، مردوں میں، عزیزوں میں، غیروں میں کسی کی بھی زبان سے پیاس کا لفظ نہ نکلا۔ ہرگز نہیں۔ سب عبادتیں کر رہے تھے، نمازیں پڑھ رہے تھے، قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے دنیا میں سب کچھ دیکھا، مگر ایسے باہمت، ایسے صابر، ایسے ایمان دار کبھی نہیں دیکھے، میں انھیں پرہوں مناظر کو دیکھتا ہوا، افلاک کی منزلیں طے کر رہا تھا کہ حسینؑ کے لشکر

سے صبح کی اذان کی آواز آئی، مگر میں نے غور سے سنا تو آج حسینؑ کا پُرانا اذان دینے والا نہ تھا، بلکہ حسینؑ کے جہانِ فرزند شہیدہ رسول علی اکبرؑ اذان دے رہے تھے۔ پانی تو ممکن نہ تھا۔ زمین کہ بلا پر نمازیوں نے تیمم کے لیے پھلے پھلے اور امام کے ساتھ نماز باجماعت شروع ہوئی۔ دعاؤں میں ہاتھ اٹھے۔ مگر فتح و ظفر کی دعائیں نہ تھیں پیاس کا شکوہ نہ تھا، بکسی کی شکایت نہ تھی۔ مگر صبر کی ثبات قدم کی، دین پر قائم رہنے کی دعائیں ہو رہی تھیں۔

اسے زبانِ حال سے داستانِ غم سننے والوں، ابھی صبح کی ہلکی روشنی میں بھی دنیا باری کر رہا تھا۔ مٹتے اٹھتے نہ پائے تھے، کہ دشمن کے لشکر سے پیغام جنگ لے کر تیر آئے، گیٹ ناخی دیکھ کر بہادروں کے چہروں پر سُرخمی و ڈی بڑھوں نے کمر کسی، جوانوں نے تلواروں کے پہلوؤں میں گھڑے ہو گئے، لڑائی شروع ہوئی۔ تیروں کی بوچھاڑ میں حسینؑ میدان میں آیا۔ جنگ کی اور شہید ہوئے۔ جب سب دوست قتل ہو چکے تو عزیزوں کی نوبت آئی حسینؑ کے چچا عقیل کی اولاد نے پیش قدمی کی وہ بھی سب شہید ہوئے۔ اب جناب زینبؑ کے فرزند میدان میں آئے۔ وہ بھی شہید ہوئے۔ اب حسینؑ کے بھائی حسنؑ کے فرزندوں نے بڑھ کر بڑی بہادری سے جان نثار کی، اب حسینؑ کے بھائی شہادت کی منزل میں آئے وہ بھی قتل ہوئے۔ اب بھائیوں میں صرف عباسؑ ابن علیؑ باقی تھے حسینؑ سے اجازت مانگی حسینؑ اس بھائی سے بہت محبت کرتے تھے۔ فرمایا عباسؑ مرنے سے پہلے بچوں کی پیاس بجھا دو۔ عباسؑ دشمن کے لشکر کے قریب آئے اور فرمایا کہ دشمنانِ دین۔ بنی ہاشم کے قتل کرتے والو یہ نہر کا پانی مجھیں

مار رہا ہے اور حسینؑ کے بچے پیاس سے تڑپ رہے ہیں جواب ملا کہ بیت تک حسینؑ بیعت نہ کریں گے ایک قطرہ نہ ملے گا۔ شاید یہ آواز شیعوں میں پہنچ گئی۔ بچوں کو معلوم ہوا کہ ہم کو پانی نہیں ملے گا۔ ایک بارگی بچوں کی آواز آئی۔ ہمارے ہم کو پیاس نے مار ڈالا یہ آواز جناب عباسؑ نے سنی، امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اے میرے امام! اے میرے آقا! اتنی اجازت تو دے دیجئے کہ بچوں کے لئے نہر سے پانی لے آؤں۔ حسینؑ نے سر جھکایا عباسؑ نے سوکھی سی مشک اٹھائی نہر کی طرف گھوڑا بڑھایا۔

تمام دنیا کے انصاف کرنے والے تاریخیں دیکھ کر، حدیثیں دیکھ کر مجھ کو جواب دیں کہ پہلی منزل سے حسینؑ کی شہادت تک بیسیوں مرتبہ دشمن نے سول بیعت کیا، حسینؑ نے انکار کیا، پانی بند ہوا۔ پیاس بھر کی، دوست قتل ہوئے عزیز شہید ہوئے۔ محو کسی ایک نے بھی حسینؑ کو یہ مشورہ نہ دیا کہ بیعت کر لیجئے دوستوں نے عزیزوں نے، مردوں نے، عورتوں نے، اور چھوٹے چھوٹے بچوں نے، کسی نے بھی نہ کہا کہ آقا اب تو پیاس کے مارے ہمارے دم نکلے جا رہے ہیں؟ آقا بیعت کر کے ہماری جان بچا لیجئے۔ خدا گواہ ہے کہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا تو معلوم ہوا کہ بیعت کرنا ایسا ہی محال تھا، ناممکن تھا، زینبؑ نے یہ کہا کہ اپنے دوستوں کو مدد کے لئے بلائیے۔ سکینہؑ حسینؑ کی چھوٹی بچی تھیں یہ کہا کہ ہم کو مانا کہے روئے پر پٹا دیجئے، مگر یہ ایک نے بھی نہ کہا کہ بیعت کر کے ہماری جان بچا لیجئے۔

بہر حال عباسؑ مشک لئے ہوئے نہر پر آئے۔ ہزاروں کو مار کر بھگا دیا۔

نہر سے پانی بھرا لے کر پٹے۔ اب پورے کوکیش میں رہے کہ میں زندہ رہوں یا نہ
 رہوں مگر پانی پہنچ جائے کہ یہ ایک ایک دشمن نے درخت کی آڑ سے نکل کر
 ایسی تلوار ماری کہ داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا، عباس نے بائیں ہاتھ میں تلوار لی۔
 دوش پر شک رکھی۔ یوں ہی جہاد کیا۔ مگر ایک دشمن نے بائیں ہاتھ پر بھی تلوار
 لگائی۔ اور وہ ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اب عباس نے دانتوں سے شک نبھالی مگر
 شک پر تیر پڑا۔ پانی بہہ گیا، سر پر گز پڑا عباس گھوڑے سے گرے اب
 حسین کے پاس ایک نوجوان فرزند تھا جس کی اٹھارہ برس کی عمر بیچسین بے حد
 خوبصورت رسول عربی کی تصویر۔ اسی فرزند نے ہاتھ جوڑ کر جنگ کی اجازت مانگی
 حسین نے فرمایا: مجھ سے اجازت کیا لیتے ہو۔ ماں سے رخصت ہو۔ بڑی چھوچی
 نے اٹھارہ برس مشقت سے پالا ہے اُن سے مل لو۔ باپ کے حکم سے علی اکبرؓ
 خیمے میں داخل ہوئے پردوں کی آڑ تھی کوئی کیا بتائے کہ ماں نے کیوں کر
 اجازت دی۔ بہن کو کیوں کر سمجھایا، چھوچی سے کیونکر رخصت ہوئے جن
 ماؤں کے جوان فرزند ہوں خدا اُن کے فرزندوں کو صبح و سالم رکھے وہ بتائیں
 کہ ماں نے کس نگاہ حسرت سے دیکھا ہوگا، کس طرح دل تمام کے زمین پر بیٹھ گئی
 ہونگی، چھوٹی بہنوں نے کیوں کر دامن چھوڑا ہوگا، جس چھوچی کے دھچکوں کی
 لاشیں میدان جنگ سے اچکی ہیں اس نے کیونکر مرنے کی اجازت دی ہوگی۔
 ہاں مجھ کو تو بس اتنا معلوم ہے کہ خیمے کا پردہ اٹھتا تھا، اور گر تاتھا جب
 علی اکبرؓ جاتے تھے کہ باہر نکلیں تو بی بیان چمٹ جاتی تھیں۔ بہر حال کسی نہ کسی
 صورت سے سب کو رخصت کر کے علی اکبرؓ باپ کے پاس آئے۔

حسینؑ نے نظر حسرت سے فرزند کا چہرہ دیکھا۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا
میرے پیدا کرنے والے گواہ رہنا اب وہ جو ان مرنے جاتا ہے جو صورت اور
سیرت میں تیرے رسولؐ کی تصویر تھا۔ یہ کہہ کے اکبرؑ کو اجازت دی۔ جو ش
شجاعت میں علیؑ اکبرؑ گھوڑا بڑھا کر چلے مڑکے دیکھا کہ امام حسینؑ گھوڑے کے
پچھے پچھے چلے آرہے ہیں۔ علیؑ اکبرؑ نے گھوڑا روک کر عرض کی۔ بابا یہ کیا؟
آپ تو مجھ کو رخصت کر چکے تھے۔ حسینؑ نے فرمایا کہ بیٹا دل نہیں مانتا۔ جب
مک میرا تیرا سامنا رہے مڑ مڑکے دیکھتا جا۔

بہر حال علیؑ اکبرؑ میدان میں آئے۔ بڑی شجاعت سے جنگ کی۔ آخر گھوڑے
سے گرے، باپ کو مدد کے واسطے نہیں پکارا بلکہ آواز دی تو صرف یہی
کہ میرے چاہنے والے باپ میرا آخری سلام لیجئے حسینؑ نے آواز سنی، کس
طرح میدان میں آئے۔ کیونکہ جو ان کی لاش اٹھائی۔ بہر حال اب حسینؑ کے
سوا کوئی نہ تھا۔ آخری رخصت کو خیمے کے دروازے پر آئے۔ آواز دی۔

میری بہنوں میرا آخری سلام لو، میرے دوستوں کی عورتوں تم پر بھی میرا
سلام، میری بچیوں سلام قبول کرو۔ اسے میری ماں کی کینز فقط یہ حسینؑ تم
پر سلام کرتا ہے۔ یہ آواز سن کر عورتیں بچے ڈیوڑھی پر آگئے۔ میں حالات
رخصت کہاں تک بیان کروں۔ محو غمقرآنؑ کہ بڑی بہن زینبؑ نے چھ
ماہ کے بچے علیؑ اصغرؑ کو لاکر گود میں دے دیا۔ بھیا۔ بھیا۔ اس کی پیاس تو
دیکھئے اب چند لمحوں کا مہمان ہے۔ میرے بھائی اس کو دشمن کے سامنے
لے جائیے ذرا حال تو دکھائیے۔ مجھ کو یقین ہے کہ اس کو پانی ضرور مل جائے گا

حسینؑ خوب جانتے تھے کہ بچے کا شتر کیا ہوگا۔ مگر بہن کی فرمائش سے بچے کو گود میں لے لیا۔ کیا کہتے کیونکہ بہن کا دل توڑنے کہ یہ ظالم ہرگز رحم نہ کریں گے۔ بچے کو غبارِ حانی دھوپ سے بچاتے ہوئے ایک بلند ی پر لائے۔
غبارِ ہٹائی۔

اب آپ مجھ کو دیکھتے رہیں۔ بچے کو دونوں ہاتھوں پر سنبھال کے بس اتنا بلند کیا کہ بچے کا گلہ سین کے ٹٹنے سے مل گیا۔ پیاس سے بے حال بچہ گردن ڈالے ہوئے چہرہ مڑھایا ہوا۔ ہونٹ سوکھے ہوئے دشمن کے سامنے پیش کر کے فرماتے گئے، میرے دشمنوں! میرے عزیزوں کو قتل کرنے والو، ذرا اس بچے کو دیکھ لو۔ یہ لڑنے نہیں آیا ہے۔ دو بوند پانی مانگنے آیا ہے۔ تم خود اپنے ہاتھ سے پلا دو۔ دشمن رو دیئے لشکر میں بل چل گئی مگر سردار لشکر عمر سعد کو رحم نہ آیا۔ ایک زبردست تیر انداز کو حکم دیا کہ کیا دیکھ رہا ہے۔ نشانہ زرد پر ہے آج ہی تو تیری نشانہ بازی کا امتحان ہے۔ اس ملعون نے کمان دوش سے اتاری تیر کمان میں جوڑ کر بھر پور قوت سے کمان کھینچی۔ تیر چلا بچے کا گلا چھیدتا ہوا حسینؑ کے بازو میں پیوست ہو گیا۔

روایت تو کہتی ہے کہ بچہ ہاتھوں پر اٹ گیا۔ مگر میرے عزاداروں تم ہی بتاؤ کہ اگر تیر صرف بچے کے گلے پر پڑا ہوتا تو بچہ الٹ سکتا تھا کہ وٹ بدل سکتا تھا۔ لیکن جب وہی تیر بچے کے گلے اور حسینؑ کے بازوؤں میں پیوست ہو گیا، تو بچے نے سمیٹے ہوئے تو ہاتھ سمیٹے ہوئے مگر سردار گلا تو بل ہی نہ سکتا تھا۔ ہاں جب حسینؑ نے قوت صرف کر کے تیر نکال لیا ہوگا تو اب بچے نے کٹ

بدلی ہوگی۔ یا باپ کے گھر میں باپیں ڈال دی ہوں گی، یہ دل شکن منظر بھی ختم
ہوا۔ اب حسین کے صبر کی آخری منزل تھی کہ کسی کی قبر نہیں بنائی۔ مگر اس بچے
کی لاش لے کر زمین پر بیٹھ گئے۔ تلوار سے ایک گڑھا کھودا۔ بچے کو قبر میں
لٹایا۔ اس مقام پر جاوید مرحوم کا ایک شعر سن لیجئے۔ فرماتے ہیں :-
قبر میں اصغر کو رکھ کر روکے فرماتے تھے شاہ

یہ تو آغوشِ محمدؐ میں اور پیارا ہو گیا

اب حسینؑ کے خزانے میں اپنے نفس کے سوا کچھ نہ تھا، لہذا گھوٹے پر بیٹھے
تلوار نکالی۔ دشمن سے جنگ کی۔ بعض دشمنانِ حسینؑ عقل سے خالی کہتے ہیں کہ حسینؑ
میں جنگ کرنے کا دم ہی نہ تھا، کبھی چلتے تھے کبھی بیٹھ جاتے تھے؛ کبھی نہر کا رخ
کرتے تھے۔ مگر انصاف کرنے والوں ایمان سے تباہ کہ اگر حسینؑ کی یہ حالت ہوتی
تو کون حسینؑ کو قتل کرتا، کون حسینؑ کو شہید کرتا؟ لشکر والے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں
ڈالتے، بیڑیاں پہنتے۔ اور گورنر کو فہمین زیادہ کے سامنے پیش کر دیتے جیسا
کہ ان لوگوں نے امام حسینؑ کے بیمار فرزند امام زین العابدینؑ کے ساتھ سلوک
کیا تھا ویسا ہی سلوک حسینؑ سے بھی کرتے اور پھر حسینؑ کو امانہ کر سکتے تھے،
اسی لئے حسینؑ نے تلوار اٹھائی اور لڑنا شروع کیا، بڑی شجاعت سے لڑے
بڑی بہادری سے لڑے۔ تیروں نے جگر چھلنی کر دیا، نیزوں نے دل چھید ڈالا۔
تلواروں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پتھروں نے زخمی کیا، اب گھوڑے پر
سنبھل نہ سکے زمین پر گرے۔ مگر فوراً کھڑے ہو گئے۔ پھر لڑنا شروع کیا۔
صرف اس خیال سے کہ مجھ کو دشمن قید نہ کر لیں۔ اب کھڑے ہونے کی طاقت

نہ رہی تو زمین پر بیٹھ گئے۔ مگر زخموں کی اتنی کثرت تھی کہ کسی کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ حسین زندہ رہیں گے۔

خود دشمن کے لشکر کی گواہی سنئے۔ ہلال عمر سعد کے پاس آیا۔ اسے سردار لشکر حسین پر پیاس کی شدت ہے۔ ایک ایک سے پانی مانگ رہے ہیں۔ زخموں کی اتنی کثرت ہے کہ پانی بھی دیا جائے تو زندہ نہ رہیں گے۔ اگر اجازت ہو تو میں پانی پلا دوں، عمر سعد نے سر جھکا لیا۔ ہلال دوڑ کر نہر پر آیا، پانی لے کر پلا حسین کو پلا دوں۔ مگر ابھی قریب بھی نہ پہنچا تھا کہ زمین کو زلزلہ آیا، غبار اڑا۔ آفتاب کو گہن لگا۔ لشکر نے خوشی میں اللہ اکبر کی آوازیں بلند کیں، اور فلک سے آواز آئی۔ علی قتل الحسین و بکر ہلا۔ و علی ذبح الحسین و بکر ہلا۔

سننے والوں میں حسینؑ کو بلا میں قتل ہو گئے حسینؑ کو بلا میں قتل کر دیئے گئے اور حسینؑ شہید ہوئے اور عمر سعد نے حکم دیا کہ لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالو۔ حکم کی دیر تھی۔ میدان میں گھوڑے دوڑنے لگے۔ جب یہ مصیبت بھی ختم ہو چکی تو اب لشکر نے خیموں کا رخ کیا اسباب لٹے لگے، اور شہزاد یوں کا زیور چھینے جانے لگے۔ اسے پردہ دار بیویوں دل تھام کر سنو، زیور چس گئے، شہزادیوں کو فک نہ ہوئی اسباب لٹ گیا۔ شہزادیوں نے اثر نہ لیا۔ مگر جب سردوں کی چادریں چھیننے لگیں تو ہر بی بی اپنی چادر سے لپٹ جاتی تھی اور جب اس طرح بھی چادریں نہ چکیں تو روایت میں ہے کہ ایک بی بی دوسری کی بیٹھ کے پیچھے چھپ کر پردہ کرتی تھی۔ اسی عالم میں لڑتا ہوا آفتاب گوشہ مغرب میں چھپ گیا اور مقتول میں شام غریباں کی سیاہی پھیلی۔ میرے سوا اور میرے گرو و پیش تائیں

کے سار کوئی بیکسوں کو روشنی پہنچانے والا نہ تھا۔ کیا اچھی منظر کشی کی ہے نواب
 تراب یا جنگ نے میری نظر میں آج ہر بھرے گھر میں رہنے والے کا یہی عالم ہوگا:
 آج ہے شام غریباں کہ بلا نظروں میں ہے
 دور ہا ہوں آج میں اپنا بھرا گھر دیکھ کر
 سنو! سنو! حسین کی لاش کے سر ہانے ضمن نہ تھی۔ بہن کے گھر میں چراغ
 نہ تھا، حسین کے واسطے کفن نہ تھا، بہن کے سر پر چادر نہ تھی حسین کا جسم زخموں
 سے چھوڑ تھا، بہن کا جسم تازیانوں سے نیلا تھا۔ اُدھر بھی بیکسی تھی یہاں بھی حسرت
 ویاس تھی بس یہی عالم تھا جو ہماری مجلس کا ہے، نہ فرش تھانہ روشنی تھی، نہ سایہ
 تھانہ کوئی محافظ تھا۔ سب کے سب پا رہے، سب سر رہے۔

مگر عزا داران حسین! وہ بچے جو باپ سے پانی مانگ رہے تھے، بھائی سے
 پیاس کی شکایت کر رہے تھے، بھوپھی کی چادر تمام کر پیاس کی شدت بتا رہے
 تھے، عباس کا دامن تمام کر پیاس کا شکوہ کر رہے تھے۔ اب کسی کی زبان پر
 پانی کا نام نہ تھا، کسی کے لب پر پیاس کا شکوہ نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب سب
 کے سب بیہوش تھے، کسی کو ہوش ہی نہ تھا کہ اب پانی مانگنے کی آواز کوئی نہ
 سنا۔ تمام مسلمان مجھ کو بتا دیں کہ حسین کے خیموں میں اب بھی پانی پہنچایا نہیں، کسی
 نے حسین کو شہادت کے بعد پانی پلایا یا نہیں۔ بخدا کوئی روایت نہیں بتاتی،
 کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں۔ ہاں کچھ ذکر پڑھتے ہیں۔ بعض کتابوں میں بھی
 موجود ہے میں کیوں کہ کہہ دوں کہ سب جھوٹے تھے۔ سب نے بہتان لگایا۔
 اس لئے جب عرض کرتا ہوں۔

رات ہونے کے بعد عرسد نے حر کی زوہر کو بکویا اور کہا کہ لے یہ روٹی
اور پانی کی مشکیں لے جا اور حسین کے اہل و عیال کو دے دے۔ چند آدمی
شمعیں لئے ہوئے چند ٹوکروں کے روٹیوں کے چند مشکیں پانی کی زوہر حر
لے کر چلی۔

جناب زینب نے دُور سے روشنی دیکھی، گھبرا کے کھڑی ہو گئیں، یہ
آواز بلند فرمایا۔ ہمارے ستنے والوں بس بس اب اس وقت تو رحم کرو۔
ہمارے بچے یہوش پڑے ہیں، ہم کہیں بھاگ نہ جائیں گے۔ صبح کو جس
قدر چاہنا لوٹ لینا۔ یہ آواز سن کر زوہر حر نے جواب دیا۔ بی بی میں دشمن
نہیں ہوں، حر کی زوہر ہوں بچوں کے واسطے کچھ کھانا پانی لائی ہوں یہ کہتی
ہوئی زوہر حر قریب آئی پہلے پُرسا دیا پھر کھانا پانی پیش کیا۔ مجھ کو تو یقین ہے
کہ بچے یہوش پڑے ہوں گے۔ جناب زینب نے حضرت سکینہؓ کے مُنہ پر
پانی چھڑکا ہوگا۔ ممکن ہے چند قطرے مُنہ پر پکائے ہوں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجلس سوّم

یاد اور یادگار

از سرکار سید العلماء مولانا سید علی نقی تقویٰ مدظلہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَىٰ أَحَارَمِ
الْيَتِيمِ وَالْطَّلَبِيِّنِ الطَّاهِرِينَ الْمُعْصُومِينَ مِنْ يَوْمِنَا
هَذَا إِلَى يَوْمِ الدِّينِ آمَنَّا بَعْدَ فَقْدِ قَالِ اللَّهُ سُبْحَانَهُ
فِي كِتَابِ الْمُبِينِ وَهُوَ أَصْدَقُ الصَّادِقِينَ فِي ذِكْرِ
فَوَاقِ التَّكْرِ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ.

ارشاد اقدس الہی ہے کہ یاد دہانی کرتے رہیے یہ یاد دہانی اہل ایمان
کے فائدہ کا باعث ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ متعدد فرائض تھے جو خالق کی نجات
سے فائدہ کئے گئے تھے۔ ایک فریضہ ہے "تبلیغ" جس کے معنی ہیں پہنچانا

جیسا کہ ارشاد ہوا بلغ ما أنزل إليك من ربك پہنچا دیجیے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ بلکہ عام طور سے بحیثیت رسالت ایک پیغمبر کا فریضہ ہی بتایا گیا ہے و ما علی الرسول الا البلاغ (یعنی رسول کا کام ہی بس پہنچانا ہوتا ہے)

دوسرا فریضہ ہے خبر دینا نبی عبادی انا الغفور الرحیم (میرے بندوں کو خبر دیجیے کہ میں بخشنے والا مہربان ہوں) بلکہ نبی کا لفظ ہی بعض علماء کے نزدیک بنائے مشق ہے جس کے معنی ہیں خبر اسی کے تحت بشارت ہے اہل اہل ہے اسی وجہ سے آپ کے القاب ہیں بشیر و نذیر یعنی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ان کے علاوہ ایک فریضہ تعلیم ہے لعلہم الكتاب والحكمة (وہ انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے)

مگر جس آیت کو میں نے سنا کہ کلام قرار دیا ہے اس میں فریضہ کی نوعیت مختلف ہے مثلاً تبلیغ ”پہنچانا“ اس میں بہت ممکن ہے وہ بات پہلے پہل پہنچائی جا رہی ہو خبر دینا بہت ممکن ہے اس کے پہلے وہ خبر نہ دی گئی ہو۔ بشارت پہلی دفعہ دی جا رہی ہو۔ انداز پہلی مرتبہ ہو رہا ہو تعلیم پہلی مرتبہ دی جا رہی ہو گریہاں کہا جا رہا ہو یا دعا کی گئی ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سبق دیے جا چکے ہیں، خبریں پہنچائی جا چکی ہیں مگر منظور خالق یہ ہے کہ یہ نقش تازہ ہوتا رہے اور دماغ انسانی سے یہ یاد نشے نہ پائے قرآن مجید نے یہ کہا کہ یاد دہانی کہ اتنے رہے گروہ کیا چیزیں ہیں جن کا یاد دلانا منظور خالق ہے۔ اسے قرآن مجید پیش نہیں کرتا پھر اسے کیوں کہ سمجھیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے سمجھنے کا وہی ذریعہ ہے جو قرآن مجید کے ہر اجمال کی تفصیل

سمجھنے کا طریقہ ہے۔

قرآن مجید نے کہا اَقِمِ الصَّلَاةَ (نماز پڑھو) نماز کیوں کر پڑھو؟ اس کا کوئی ذکر نہیں ورنیات کی پہلی کتاب جو بچوں کو پڑھائی جاتی ہے اس میں بھی ترکیب نماز درج ہوتی ہے لیکن قرآن مجید میں نہیں۔ وضو کی ترکیب ہے تیمم کی ترکیب ہے مگر نماز کی ترکیب قرآن کریم میں شروع سے آخر تک کہیں نہیں۔

ہاں کسی جگہ طے گا کہ اِنَّكُمْ عَوَّمَغَ الرَّاسِ عَيْنِ (رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو) اب درج کر لیجئے فہرست میں رکوع کہیں ہے۔ اَللّٰهُ يَسْتَعِذُّ مِنْ فِي السَّمَلٰتِ وَالْاَسْمٰنِ (اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتے ہیں سب جو آسمان اور زمین میں ہیں) اسے دیکھ کر کھلے سجدہ کہیں ہے؟ سَبَّكَ فَكَبَّرَ (اپنے پروردگار کی تکبیر کرو) درج کر لیجئے: تَكْبِيرٌ سَبَّحَ بِحَمْدِكَ (اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو) اس سے تسبیح کر لیجئے اور اقْبَا بِاسْمِ رَبِّكَ (اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھو) اب قرأت بھی کھلے مگر قابل غور اصولی پہلو یہ ہے کہ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ اجزائے نماز ہیں۔ مگر قرآن میں یہ کہاں ہے کہ یہ اجزاء اس نماز کے ہیں جُكَا اَقِمِ الصَّلَاةَ (نماز قائم رکھو) دیا گیا تھا آخری قرآن میں روزہ کا بھی تو حکم ہے مگر وہ جزو نماز نہیں ہے مستقل عبارت ہے حج کا بھی حکم ہے مگر وہ جزو نماز نہیں ہے اسی طرح ممکن تھا کہ رکوع مستقل عبارت سجدہ مستقل عبارت اور پھر صلوٰۃ کوئی اور چیز ہو۔ یہ کس نے بتایا کہ یہ سب نماز کے اجزاء ہیں۔ اچھا یہ اگر کسی طور سے سمجھ بھی لیجئے تو یہ سب تو مفردات ہیں مگر یہ نہ سب کیوں کر ہو۔ اگر کوئی مسلمان سجدہ کرے اور پھر قیام کر لے پھر قرأت کرے۔

پھر تبسبح پڑھ لے اور پھر اللہ اکبر کہے تو قرآن کے بتائے ہوئے سب اجزا عمل میں آگئے مگر کیا نماز ہوئی؟ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو دیکھ کر نماز نہیں ہوئی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر نماز ہوئی ہے۔ اسی طرح قرآن میں زکوٰۃ کا حکم ہے مگر نصاب زکوٰۃ، مقدار زکوٰۃ اور شرائط زکوٰۃ ان تمام مسائل کا کوئی ذکر نہیں۔ حج کر لیجئے اللہ علی التائبین حج الکتبت (لوگوں پر غمانہ کعبہ کا قصد لازم ہے) مگر قصد کر کے کیا کریں مناسک حج کا بیان بالکل نہیں۔

اب ہر مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ کیا متکلم قرآن معاذ اللہ نماز کا حکم دیتے ہوئے یہ مجہول کیا ترکیب نماز بھی بتاتا ہے۔ زکوٰۃ کا حکم تو دے دیا اور رواداری میں مقدار زکوٰۃ کا بیان رہ گیا۔ حج کا حکم دے دیا اور سہواً مناسک حج کا بیان چھوٹ گیا۔

عام متکلم سے بھی یہ مجہول ایک دو دفعہ ہو گئی۔ مگر ہر دفعہ مجہول ہو۔ یہ خلاف تصور ہے۔ یہاں زکوٰۃ یا کسی دوسری ایک ہی چیز کی تفصیل رہ جاتی تو کوئی جاہل یا کافر سمجھ لیتا کہ یہ مجہول کا نتیجہ ہے مگر مسلاۃ میں بھی اجمالی حکم موجود اور تفصیل غائب۔ حج میں بھی حکم موجود مناسک حج ندارد۔ زکوٰۃ خمس ہر جگہ یہی بات تو اسے عام متکلم کے یہاں بھی سہو پر مجہول نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ متکلم تو انسانوں میں کا کوئی شخص نہیں ہے باجماع امت قرآن کے اصل متکلم خود رسول بھی نہیں ہیں کہ رسول میں ایک مکتبہ خیال بشریت کے لحاظ سے سہو کا تصور کر سکے۔ یہ متکلم تو خدا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کے یہاں

بشریت کا کوئی جنبہ نہیں ہے لہذا کلام الہی میں کوئی اللہ کا بندہ سہو و نسیان کا قائل نہیں ہو سکتا۔

قرآن کی تصریح ہے مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے) پھر جب بھول کر تفصیلات ترک نہیں ہوئے ہیں تو اسے ارادی فعل ماننا پڑے گا اور اس بناء پر میں کہتا ہوں کہ قرآن نازل ہوا ہے۔ اس صنعت میں کہ وہ کافی نہ ہو۔ اللہ چاہتا یہ تھا کہ رسول سے دنیا بے نیاز ہو جائے۔ اس نے قرآن میں ہمیں ہر قدم پر رسول کا محتاج بنا دیا ہے قرآن کہہ رہا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَتُوْا زَكَوٰتَہٗ۔ (مگر جب تک رسول سے نہ پوچھو نماز پڑھ ہی نہیں سکتے زکوٰۃ دے ہی نہیں سکتے) قرآن حج کا حکم دے رہا ہے۔ مگر آپؐ حاجی صاحب بن ہی نہیں سکتے جب تک رسول سے حج کے احکام معلوم نہ کریں یعنی قرآن سہارا لے رہا ہے مطلق معلم کا۔ اسی لئے جب معیار محبت الہی بتانا ہوا تو قرآن نے کہا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسولؐ کا اتباع کرو)

کوئی سمجھ رہا تھا کہ محبت الہی کہنا ہو تو اللہ کے نام کی ضربیں لگائیں یا بکھرے لگائیں، تختے پر جسم کو معلق کریں یا سینوں پر — مگر قرآن نے یہ سب کچھ نہیں کہا اس نے نام لے کر کوئی کام بتایا ہی نہیں۔ اس نے ایک تو ایک فرد کے نقش قدم کو پیش کر دیا اب اللہ سے محبت کہنا قیامت تک ہر مسلمان کو ہے جب تک خدا خدا ہے اور بندے بندے ہیں انھیں اس سے محبت کرنا ہے اور محبت کے لئے قرآن نے کچھ کاموں کی فہرست بتائی نہیں کہ اس فہرست کو

حفظ کر لیں اور اللہ سے محبت ہو جائے قرآن نے تو یہ کہا کہ اللہ سے محبت کرتے ہو تو ان کے نقش قدم پر چلو۔ اب اگر قرآن کی ہدایت سے اس نقش قدم پر نظر جمائی تو پھر چاہے اس آیت کو مجھول بھی جائیں تب بھی وہ نقش قدم منزل تک پہنچا دے گا لیکن اگر وہ نقش قدم نظر سے اوجھل ہو گیا، تو قرآن کے ان الفاظ کا یاد کر لینا منزل تک کبھی نہیں پہنچا سکتا۔

معلوم ہوا کہ ہر منزل اجمال قرآن میں ہے اور منزل تفصیل عمل پیغمبر میں ہے تو اسی طرح قرآن کا حکم ذکر یا ودہانی کرتے رہے مجمل ہے۔

اس کی تفصیل سمجھنے کی صورت یہ ہے کہ عمل پیغمبر دیکھئے جن چیزوں یا شخصیتوں کی یاد ودہانی پیغمبر کرتے رہے ہوں وہی مطلوب خالق ہے اس کے علاوہ وہ نظام مشریت دیکھئے جسے پیغمبر نے پنچایا۔ اس میں جن یادوں کے قائم رکھنے کا انتظام لیا گیا ہوا انہیں مطلوب باری سمجھئے۔

جب ہم اس طرح دیکھتے ہیں تو بلاشبہ اصل اصول تو اللہ کی یاد ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی پیغام تھا کہ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا۔ (کہو کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں تھا راہی فائدہ ہے)

یہی قرآن کہہ رہا تھا کہ یاد ودہانی کیجئے۔ اس یاد ودہانی میں انہی کا فائدہ ہے اب قرآن اور ارشاد رسول سے یہ اصول قائم ہو گیا کہ جن کی یاد ودہانی ہو اس سے فائدہ انہی کو پہنچے گا جو یاد قائم رکھیں گے۔ نہ کہ ان کو جن کی یاد ہو۔

چنانچہ اللہ کی یاد سے اللہ کا نہیں بندوں کا فائدہ ہے اور یہ وہ منزل ہے کہ کوئی اللہ کا ماننے والا یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ اللہ کو فائدہ پہنچائے گا۔

وہ تو بے نیاز مطلق ہے اگر تمام دنیا سر بسجود ہو جائے تو اس کے جاہ و جلال میں اضافہ نہیں اور اگر سب مل کر اس کے منکر ہو جائیں تو اس کے جلال و جبروت میں ذرہ بھر کمی نہیں۔ یوں تو اس زمانہ میں گویا ترقی پسندی کی علامت سمجھا جاتا ہے خدا کا انکار یعنی دل و دماغ میں چاہے خدا ہو مگر زبان پر نہ ہو یہ جب کہنے لگتے ہیں کہ خدا کوئی چیز نہیں تو سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بڑے آدمی ہو گئے یہ خدا کے منکر و باغی ہیں مگر یہ انکار زبان سے اس وقت تک ہے جب تک اس نے یہ زبان متحرک بنا رکھی ہے، اور آپ کے ارادہ کی تابع بنا رکھی ہے۔ اس وقت تک چاہے اقرار کر لیجئے چاہے انکار۔ مگر وہ اس زبان کو خاموش کر دے تو کلام تو کر لیجئے۔ ہاتھ آپ کے قابو میں دے رکھے ہیں۔ چاہے کہ توں کو سنبھالیے چاہے گھر جلائیے مگر وہ شل کر دے تو ہاتھ کو حرکت تو دے لیجئے پیر قابو میں دے رکھے ہیں چاہے صحیح راستہ اختیار کیجئے یا غلط لیکن اگر وہ مفتوح کر دے، تو جنبش تو کر لیجئے اسلام کا مطالبہ صرف شرافت نفس کا مطالبہ ہے یعنی جس کی اطاعت جبراً کرنا ہی ہے، اس کی اطاعت خوشی سے بھی کر لیجئے، ورنہ جس بات میں اطاعت اسے بہر صورت کرنا ہے وہ تو کراہی لے گا فرق یہ ہو گا کہ اس صورت میں ثواب کا حق نہ ہو گا۔

ہم نے سنا ہے کہ بعض ملکوں میں دعویٰ کیا گیا کہ ہم نے خدا کو اپنے یہاں سے نکال دیا مگر کیا وہ نکل بھی گیا؟ کوئی حکومت الہیہ سے بغاوت کا کتنا ہی بڑا دعویدار ہو میں توجہ جانوں کو جب وہ بھیجے تو یہ نہ آئے اور جب وہ بلائے تو یہ جاتا نہیں۔ مگر صورت واقعہ تو یہ ہے کہ جب اس نے بھیجا تو یہ آئے اور جب وہ بلائے

گا تو چپکے چلے جائیں گے۔ سانس بھی تو نہیں لیں گے پھر ایسی بے نیاز مطلق جو ذات ہو اس کو ہماری یاد سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

دوسری یاد رسول کی یاد ہے ہر مکتب خیال کے مسلمانوں کے نزدیک اذان میں شہادت رسالت ضروری ہے پھر یہ کہ فقہ اسلامی کی کسی کتاب میں مؤذن کو یہ بات نہیں کہ شہادت توحید و مرتبہ ہو لیکن شہادت رسالت ایک دفعہ ہوتا کہ خالق و مخلوق میں فرق ہو جائے یا یہ کہ واجب نہ سہی مستحب ہوتا کہ شہادت توحید ذرا بلند آواز سے اور شہادت رسالت کو مدغم آواز سے کہے۔ ہرگز ایسی کوئی ہدایت نہیں بلکہ جس طرح شہادت توحید اسی طرح شہادت رسالت یہ تو ہے اذان اس کے بعد اقامت۔ یہ تو نماز کے ساتھ دست و گریباں ہے۔ فرادی نماز میں بھی اقامت کہہ لی جاتی ہے کیوں کہ اس کا تاکید حکم ہے۔ اقامت میں بھی شہادت توحید کے ساتھ شہادت نبوت ضروری ہے۔ آپ اقامت ہی نہ کہیے وہ اور بات ہے لیکن اگر اقامت کہیے گا تو شہادت توحید کے ساتھ شہادت رسالت ادا کرنا ہوگی۔

اب خود نماز میں آئیے۔ ہر دوسری رکعت میں اور آخری رکعت میں جو نماز میں تشہید یا اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھا جاتا ہے وہ کیا ہے؟ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ اب مسلمانوں کو غور کرنا ہے، نماز ایسی اہم عبادت میں خلوص نیت لازم اس میں ذکر رسول اور تصور رسول یہ منافی اخلاص تو نہیں ہے؟ شرک تو نہیں ہوگا؟ یاد رکھئے کہ شرک سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیئے اور نماز بھی ہر مسلمان کو

بڑھنا ہے تو اب ہم سب ایک کشتی پر سوار ہیں۔ نماز کے اندر رسول شریک ہو گئے ہیں۔ پھر بھی شرک نہیں ہے۔ اس کا راز ہر مسلمان کو سمجھنا اور سمجھانا ہے۔ اب حوصلہ میں پیش کروں یا تو اسے دنیا قبول کرے اور دل چاہے تو شکر گزار ہو کہ میں نے سب کا بھار ہلکا کر دیا ہے ورنہ خود کو فیصلہ پیش کرے میں اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ جو ذکر رسول ہو رہا ہے وہ کیا ہے؟ اگر یہ ذکر ہو کہ کسی بڑے باپ کے بیٹے ہیں تو یہ غیر اللہ کا ذکر ہو سکتا ہے۔ یہ ذکر ہو کہ خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ ہیں تو یہ غیر اللہ کا ذکر ہو سکتا ہے یہ ہو کہ وہ ملک عرب کے تاجدار ہیں تو یہ غیر اللہ کا ذکر ہو سکتا ہے لیکن یہ ذکر کہ محمد خدا کے رسول اور اس کے بندہ خاص ہیں یہ تو عین ذکر خدا ہے۔

اس سے یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ جو ذکر رسول کا مادی خصوصیات کے لحاظ سے ہو، وہ تو بس ذکر رسول ہو سکتا ہے لیکن جو اللہ کے رشتے سے وہ عین ذکر خدا ہے بس اب یہ اصول محفوظ رکھنا چاہیے۔

رسول کی تعظیم بھی اگر بڑے باپ کے بیٹے کی حیثیت سے ہو، بنی ہاشم کی ممتاز ترین فرد کی حیثیت سے ہو۔ ملک عرب کے تاجدار کی حیثیت سے ہو تو وہ اللہ صرف رسول کی تعظیم ہوگی لیکن جو تعظیم اللہ کے رسول کی حیثیت سے ہو وہ اللہ کی تعظیم ہوگی اب جو مسلمان روزِ روضہ رسول کو بوسہ دیتا ہے اس سے پوچھئے کہ وہ کیا عرب کے تاجدار کی طرح کو بوسہ دے رہا ہے یا رسول خدا کی طرح کو؟ یہ بوسہ مزین رسول کا ہے مگر بتاؤ اللہ کی ہے بس اب اسی اصول کو گہرے میں باندھ لیجئے کسی کی بھی تعظیم مادی خصوصیات

کے لحاظ سے ہو تو وہ اس شخص کی تنظیم ہوگی لیکن اگر اللہ کی نسبت کے لحاظ سے ہو تو وہ عین خدا کی تنظیم ہوگی اور کسی طرح شرک قرار نہیں پاسکتی بلکہ اگر فدیہ راہ خدا کی تنظیم ہو تو اسے بھی تنظیم خالق سے جدا نہیں سمجھنا چاہیے۔ مچلا اگر مادی خصوصیات کے لحاظ سے جھکنا ہو تا تو دشمن، بغلاد اور قرطبہ کی بارگاہوں پر سجدہ ریزی نہ کرتے؟ اسے جوتی ہوئی بارگاہوں کو یاد کریں ان کے عمل میں للیت کے سوا اور جذبہ ہی کیا کارفرما ہو سکتا ہے؟ سوا خدا کے رشتے کے کیا ہو سکتا ہے جو محرک تنظیم ہو؟

اب یہ غور کرنا ہے کہ اذان میں ذکر رسول داخل ہوا، اقامت میں داخل ہوا نماز میں داخل ہوا تو یہ سب کیا پیغمبر نے خود کر دیا؟ صرف اس لئے کہ میرا نام باقی رہے؟ اگر کسی نے یہ خیال کر لیا تو ایمان رسالت پر ختم ہو گیا پھر قرآن میں دیکھو ارشاد ہو رہا ہے۔ **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ**۔ (ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔) قرآن میں جب الوہیت اور خصوصیات الوہیت کا ذکر ہوتا ہے تو میں ”کہا جاتا ہے کہ غیر کے شرک کا شائبہ پیدا نہ ہو“ ان آیتوں میں تمہارا پروردگار ہے، مگر جہاں زور عمل دکھانا ہوتا وہاں ہم ”کہا جاتا ہے جہاں یہ لفظ ہو وہاں امکانی طاقتوں کو ایک چیلنج ہوتا ہے جیسے **إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَيْكَ** **أَلَمْ نَكُنْ نَدُوكَ لَاحِقًا**“ ہم نے آپ کو کثرت نسل عطا کی، اب اسے شکون سکتا ہے۔

إِنَّا لَنَحْنُ الَّذِي كَرَّمْنَا إِلَهُ لِحَافِظُونَ۔ ہم نے قرآن اتا رہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، یعنی اسے ختم کون کر سکتا ہے۔ اسی طرح ارشاد ہو رہا ہے۔ **وَمَا فَعَنَّا لَكَ ذِكْرَكَ** (ہم نے آپ کے

ذکر کو اونچا کیا ہے، یعنی اسے اب نیچا کون کر سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ رسول کا انتظام نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف کا انتظام ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے قرآن مجید میں ہے **فَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اِلهِكُمْ الَّتِي لَا اَدْكُرُكُمْ** دُرّم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں، یعنی صلہ از جنس عمل ہو تا ہے ہم یاد کریں گے اسے اپنے امکان کی عاجزی کے ساتھ وہ ہمیں یاد کرے گا اپنے وجوب کی توانائی کے ساتھ اب کہہ نا تو ہے محدّد و دچیز لیکن جو اس کے ذکر کو قائم کرے وہ اس کے لئے کیا کرے گا یہی کہ وہ اس کے ذکر کو ہمیشہ کے لئے قائم کرے۔

یہاں تک کہ ذکر خدا اور رسول کی منزل ملے ہوئی اب کوئی اور چیز ہے جس کا ذکر پیغمبر خدا وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہوں۔ یہ کوئی اور چاہے شخصیتیں ہوں چاہے واقعات تلاش سے ہمیں سیرت رسول میں ہستیاں اور واقعات دونوں ہی مل جاتے ہیں جن کا وقتاً فوقتاً ذکر سیرت و سنت رسول رہا۔

یہ ہستیاں اہلبیت رسول کی ہیں یہ رسول کے خاص قرابت دار ہیں یعنی ایک رسول کی بیٹی ہے جس کا تذکرہ بار بار فرما رہے ہیں۔ ایک داماد ہے جو داماد ہونے سے پہلے آپ کا بھائی بھی تھا اور دونوں اسے ہیں یہ وہ ہیں جن کا ذکر بار بار فرما رہے ہیں۔

اب ایک مکتبہ خیال ہے جس کے داغ میں یہ غلش ہے کہ بیٹی اور داماد دو نواسوں کا ذکر بار بار کیوں؟ میں اس منزل پر ہر صاحب عقل کو مخاطب کرتا ہوں یاد رکھنا چاہئے کہ داماد نواسے آل اولاد سب کی منزل اپنی ذات کے بعد ہے اصل محبت ذات سے ہوتی ہے اور وہی بیٹی داماد اور نواسوں سے

محبت کا سبب ہوتی ہے۔

اب ایک مسلمان وہاں سے گزر گیا جہاں اپنا نام اذان اقامت اور نماز میں رکھا جا رہا تھا وہاں یہ نہ سوچا کہ انہوں نے اپنے نام کی خاطر شریعت کے احکام بنادیئے ہیں تو اب اہل بیت تک پہنچ کر کیوں اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈال رہا ہے۔

اگر اپنے نام کا رکھنا فریضۃ الہی کے احساس سے ہے تو اہلیت کا بار بار ذکر کرنا بھی اسی احساس کا نتیجہ ہے نہ وہ اس لئے تھا کہ میرا نام رہے نہ یہ اس لئے ہے کہ یہ میرے بیٹی اور داماد ہیں۔ بلکہ ان کے نام کی بقا سے اسلام باقی ہے اور یہ ان کے اہل بیت بھی کچھ ایسے ہی ہیں کہ ان کے ذکر کے قیام سے معاصر الہیہ کا قیام ہے۔

نہ اللہ کی یاد اللہ کے فائدے کے لئے تھی نہ رسول کی رسول کے فائدے کے لئے اور ان کے اہلیت کی یاد ان اہلیت کے فائدے کے لئے بلکہ یہ بخلق خدا کے فائدہ کے لئے تھا۔

اب سوچئے سمجھئے کہ اہل بیت کی یاد سے خلق خدا کا کیا فائدہ ہے؟ کہا جاتا ہے کہ اتنے فضائل ان حضرات کے بیان کئے جاتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کا کوئی اور کام ہی نہ تھا سوا اپنی بیٹی داماد اور نواسوں کے فضائل بیان کرنے کے۔ اسے ایسے انداز میں کہا جاتا ہے کہ سننے والا جیسے شرماتا ہے مگر میں تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہوں گا کہ یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ یہ رسول کیسے ہیں کہ بس ہر وقت قرآن ہی قرآن پڑھا کرتے

ہیں انھیں کچھ اور آتا ہی نہیں۔ کیا یہ سوال کوئی معقولیت رکھتا ہے؟
 حضور والا! یہ اسی قرآن کی تعلیم کے لئے آئے ہیں تو قرآن نہیں تو کیا تورات
 انجیل اور زبور پڑھیں۔ جس کتاب کی تبلیغ کے لئے آئے ہیں تو جو اس کے سبب
 جسے حسین مرتھے ہیں انہی کو سامنے لاتے ہیں۔

عبدیدہ طریقہ تعلیم یہ ہے کہ براہ راست تعلیم نہ ہو بالواسطہ تعلیم ہو یعنی
 حروف یاد نہ کرائیے تصویریں دکھائیے بچہ سمجھے گا تصویریں دیکھ رہا ہوں اسی
 ذیل میں اس کو وہ حروف یاد ہو جائیں گے۔

دنیا اس راہ تعلیم کو آج سمجھی ہے مگر خدا اور رسول اس راہ سے پہلے ہی وقت
 تھے۔ قرآن پڑھنا جو تھا وہ براہ راست تعلیم تھی اور اہل بیت کو دکھانا بالواسطہ
 تعلیم تھی۔

جس طرح اس وقت تعلیم دو طرح ہو رہی تھی وہی صورت آج بھی ہے۔
 ہماری مجلسیں بھی مدرسوں کی طرح تعلیم گاہ ہی ہیں مگر مدرسے ہیں براہ راست تعلیم
 کا مرکز اور مجلسیں ہیں بالواسطہ تعلیم کا مرکز یہاں رونے آتے ہیں اور کتنے سبق
 پڑھ کر چلے جاتے ہیں حقائق ان کے کتنے درس سننے والوں تک پہنچ جاتے
 ہیں تذکرہ حسین کے ساتھ تمام انبیاء و مرسلین کے واقعات یاد ہوتے ہیں اور
 توحید سے لے کر معاد تک کے تمام اصول دین بہ دلائل گوش گزار ہوتے ہیں حسین کی
 یاد میں مضمر ہے ان کے پیش رو تمام حامیاں حق کی یاد اور کیوں نہ ہو ان کی قربانی
 میں سب کی قربانی مضمر ہے۔

قرآن مجید نے ایک مقام پر ایک چیز کا نام لے کر کہا کہ اس کی یاد تازہ

کرو۔ وہ کیا ہے؟ ذکرِ تھم یا بایمدا اللہ (یعنی اللہ کے دنوں کی یاد تازہ کرو)

اللہ کے دن کون ہیں؟ وہ جن میں کوئی مسرکہ حق و باطل ہوا ہو جن میں اس کی راہ میں کوئی کارنامہ ہوا ہو اس سے ثابت ہے کہ ایسے کسی دن کی یاد قائم کرنا بدعت نہ ہوگی۔

دن یاد دلایا جا رہا ہے تو تاریخ کے تعین کے ساتھ یادگار قائم کرنا قطعاً بدعت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قربانی اسمعیلؑ کی یاد دن کے تعین کے ساتھ ہی قائم ہے اور بلا تفریق فرقہ اجماع امت ہے یہ یاد قائم رکھی گئی ہے حبیب اللہ کے نام سے یہ یاد ہے قربانی اسمعیلؑ کی۔

اب مسلمان غور کریں کہ کسی دن جمع ہو کر تذکرہ اسمعیلؑ ہو جایا کرتا ناگہم وہی سا دن مقرر کر دیا جس دن قربانی ہوئی تھی۔ ارذی الحجہ اور صرف روزِ قربانی ہی نہیں بلکہ اس کے پہلے ایک دن روزِ عرفہ کو بھی یاد رکھا گیا اس عشرہ کو ذی الحجہ کے تمام و کمال اہمیت ہو گئی کہ حج کا احرام اسی میں بندھتا ہے، پھر اسمعیلؑ کی خاطر عشرہ ذی الحجہ یادگار بن گیا تو حسینؑ کی خاطر عشرہ محرم کیوں نہ یادگار ہے۔ یہ قربانی خاص دسویں محرم کو ہوئی مگر عشرہ کا جو دن ہے وہ اس قربانی کے سفر کی ایک منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔

جب حسینؑ کو بلا پہنچے تو نام پوچھا۔ جب کسی نے کہہ دیا کہ بلا، تو مولانا فرمایا ہھنا واللہ متاخ رکابت۔ (یہاں بخدا ہمارے خیمے نصب ہونگے یہ آج کی تاریخ کا حال ہے پھر دس فک دماشتا دیں ہمارے خون بہائے

جائیں گے، یہ دسویں کی عصر تک حال ہو گیا اس کے بعد وہ تک حرمینا
 دیہیں ہماری ہتک عزت ہوگی یہ عصر عاشور کے بعد سے ربائی اہل حرم
 تک کی مدت کا پورا حال ہے۔

وہ قربانی اسماعیل کی یاد تھی اور حسین کی قربانی کی یاد ہے قربانی اسماعیل
 کا عشرہ قربانی تک ختم ہو گیا لیکن قربانی حسین کا ایک عشرہ قربانی تک ہے
 یہ بجائی کا عشرہ ہے اور دوسرا عشرہ قربانی کے بعد شروع ہوتا ہے یہ بہن کا عشرہ
 ہے وہ عشرہ دس دن کا تھا مگر اس دوسرے عشرے کی تعداد کا تین نہیں ہو
 سکتا جب کہ ربائی دوسرے سال ہوئی، تو اب سال کا ہر دن زینب کا ہو گیا
 وہ قربانی حسین تھی اور یہ قربانی زینب۔

اب مسلمان انصاف کریں کہ خلیل کا فرزند قربان ہو تو یاد قائم کی جائے اور
 حبیب خدا کا فرزند قربان ہو تو یاد کرنا بدعت ہو؟ حالانکہ خلیل اللہ سے
 ہمارا رشتہ اعتقادی ہے عملی نہیں تو گزشتہ دور کے رسول کے کارنامہ کی یاد
 قائم رکھے جانے کے قابل ہو اور اپنے رسول کے کارنامہ کی یاد قائم نہ
 رکھی جائے؟

اب کہا جاتا ہے کہ یاد بطور غم کیوں منائی جائے یوم مسرت منایا جائے
 یہ بہت سمجھ بوجھ کہ بات کہی جا رہی ہے یاد رہے کہ مسرت میں صلاحیت بقا
 نہیں جو غم میں جاؤیت ہے وہ مسرت میں نہیں۔ جب خوشی منائی جائے
 تو وہ خوشی ہماری ہی رہے گی لیکن جب غم ہوتا ہے تو دنیا اس میں شریک نہ
 جاتی ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ حسین کو غیر فطری بنا دیں لیکن ہم اس فریب

میں آنے والے نہیں۔

منطق کا جواب منطق ہی سے دیا جاسکتا ہے حسینؑ کی یاد خوشی کی صورت میں اس وقت منائی جاتی کہ جب قربانی اسمعیلؑ کی یاد بطور غم ہوتی۔

پھر نیچے اور یاد رکھیے کہ اگر قربانی اسمعیلؑ کی یاد بطور غم ہوتی تو قربانی حسینؑ کی یاد بطور خوشی ہوتی۔ مگر وہ عید ہے۔ عید کا ہے کی ہے؟ یہی تو کہ نبی زادہ بچ گیا تو اب محرم میں ماتم کبھے غم منائیے کہ رسول زادہ مار ڈالا گیا اور پیغمبرؐ کا ماخ تاج ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ فرزند رسولؐ درجہ رفیعہ شہادت پر فائز ہوئے تو اس پر خوش ہونا چاہیے، مگر اس درجہ رفیعہ کے تقاضوں کو یہ لوگ زیادہ جلتے ہیں یا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ تو پھر دیکھیے کہ رسولؐ خدا روز عاشورؑ خوش و مسرور نظر آئے یا غم و گمبیاں۔

صحاح ستہ میں سے صحیح ترمذی ملاحظہ ہو۔

عصر عاشورام سلمہ نے رسولؐ اللہ کو سر برہنہ دیکھا اس طرح کہ سروریش مبارک پر مٹی پڑی ہے ہاتھ میں ایک شیشہ ہے جس میں خون تازہ جوش مار رہا ہے فرمایا میرا فرزند حسینؑ شہید کر دیا گیا یہ میرے سروریش پر خاک کر بلا اور شیشے میں حسینؑ اور انصار حسینؑ کا خون ہے جسے میں جمع کرتا رہا ہوں۔ رسولؐ اپنے حسینؑ پر رو رہے ہیں تو حسینؑ علی اکبرؑ کی لاش پر رو رہے ہیں اب کوئی نہ کہے کہ یہ شان حسینؑ کے خلاف ہے۔ رسولؐ زندگی میں بھی رونے اسی طرح حسینؑ بھی رو رہے ہیں یہ خلاف صبر نہیں ہے صبر تو یہ

ہے کہ جو جوان کو رو چکا وہ چھ مہینے کے بچے کو بھی ہاتھوں پر قربان کرنے کے لئے لاتا ہے۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ کہاں تک روڈ گئے؟ بس روچکے اتنے دن کہیں رو یا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تو قدرت کا انتظام ہے۔ اسباب ظاہری کے لحاظ سے اگر انھیں رو لینے دیا ہوتا جنھیں رونے کا حق تھا تو شاید فنا اتنا دیر پا نہ ہوتا۔

حسین کو رونے والوں کی کمی نہ تھی۔ زینبؓ وام کلثومؓ ایسی بہنیں تھیں جو ربات ایسی بیبیاں۔ سکینہؓ وفا طمہؓ ایسی بیٹیاں مگر انھیں رونے ہی کب دیا گیا اور شہادت کی خبر آئی اور دشمن آگ لے کر آگئے۔ اب پر وہ کے لئے جہاں کہیں کہ روئیں اور پھر گیارھویں کو شہزادیاں قید تھیں اور راہ کو فہ و شام میں اگر کسی کی آنکھ میں اشک آتا تو استقیار نوک نیزہ سے افیت دیتے تھے۔ اللہ نے ان کے ضبط و سکون کا بدلہ ان کو دیا کہ تمھاری نیابت میں آسمان زمین روئیں گے جو آج حسینؑ کا ماتم کر رہے ہیں وہ سب زینبؓ کی نیابت کر رہے ہیں۔

زینبؓ بھی رونے ہی کی پیاسی تھیں — حالانکہ جب سے ساتویں محرم کو کہ بلایں پانی بند ہوا تھا پھر آج تک اتنا پانی نہ ملا تھا کہ جو سیلاب کرتا، مگر پیاس تھی تو آنسوؤں کی چنانچہ جب حکم رہا ٹی ٹلایزید نے کہا خواہ یہاں رہیں یا مدینہ جائیں آپ کو اختیار ہے یہ خاندان رسالت کا حفظ مرا تب تھا کہ سید سجادؑ کہتے ہیں کہ بنیر چھو بھی سے پوچھے کچھ نہیں

کہہ سکتا۔

شاید یہ پہلا موقع تھا کہ یزید نے سید سجاد کو بلایا تھا اور زینبؓ ساتھ نہ تھیں۔ معلوم نہیں اتنی دیر میں زینبؓ پر کیا گزری۔ غالباً جھنجھکی نے چھوٹی کو دروازہ پر پایا ہو۔ جونہی جھنجھکی آیا سر سے پیر تک دیکھا ہو گا فرق تو محسوس ہی کر لیا۔ آئے ہیں تو ہتھکڑیاں بیڑیاں کافی جاچکی ہیں طوق الگ کیا جا چکا ہے۔

پوچھنے پر بتایا کہ یزید نے رہا کر دیلے اور کہا ہے کہ چاہے یہاں ہیں چاہے مدینہ جائیں۔ جناب زینبؓ نے فرمایا پھر تم نے کیا کہا۔ عرض کیا آپ سے بغیر پوچھے میں کیا کہہ سکتا تھا۔

یہ جناب امیرؓ کی بیٹی ہے جو سیاست شاہانہ ٹوکتے رہی ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ سیاست وقت کا دباؤ ہے جو مجبور کر رہا ہے، ہم مظلوموں کی دلجوئی پر۔ فرمایا یزید سے میری طرف سے کہو ابھی تو ہم اپنے وارثوں کو روئے نہیں ہیں پہلے ایک مکان خالی کراؤ کہ ہم اپنے عزیزوں کو رہائش دے سکیں۔ اب ہم یہاں رہیں گے یا مدینہ واپس جائیں گے۔

لیجئے حسینؑ کے ماتم کی صف بچھ گئی اب جو پتہ چلا کہ حسینؑ کا ماتم ان کے درثناء کر رہے ہیں تو سو گواروں کا لباس پہن کر شرفائے قریش کی عورتیں آئیں۔ یقیناً حضرت زینبؓ نے اس صف ماتم کے ساتھ ہزاروں دلوں میں حضرت امام حسینؑ کی صف ماتم بچھا دی۔

ہم سب بھی آج زینبؓ کی بچائی ہوئی صف پر ہیں۔

اب کون بتا سکتا ہے اس اثر کو لیلیٰ کی زبان اور علی اکبرؑ کا ماتم یہ وہ
حسن کی زبان اور قاسمؑ کا بیان۔ زینبؑ کی زبان اور حسینؑ کا مرثیہ رباب
کی زبان اور علیؑ اصغرؑ کا نوحہ۔

اور پھر تو حضرت زینبؑ نے انتہا کر دی آپ سب کو اندازہ ہے
کہ آخری مجلس میں ذاکر کے بیان کے بعد جب شبیبیں آجاتی ہیں تو کیا اثر
ہوتا ہے۔ حالاں کہ ان شبیبوں میں کیا ہوتا ہے؟ ایک تابوت جس میں
لاش کوئی نہیں۔ ایک گہوارہ جس میں بچہ کوئی موجود نہیں ایک فخر الخراج
جس پر سوار کوئی نہیں۔ اس سے کیا کہرام برپا ہوتا۔

اور وہاں جناب زینبؑ فرماتی ہیں کہ یزید سے کہو کہ جہاں اتنا کیا ہے
ہمارے عزیزوں کے سر بھی جھجکے۔ — لیجئے ماتمی صف بستہ کھڑے
ہیں اور اٹھارہ سر لائے جلتے ہیں۔

وا حسیناۃ و اعیاساۃ و اعلیٰ اکبراہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجلس چہارم

ایک یادگار مسودہ

انرا فاضل حضرت افاضی العلماء کرام کو ناسید محمد
صاحب عارفی لانا کہن صانعی خدا نشین حضرت خضر اشیا
واما مسجد آصفی لکھنؤ طاب ثرا

اعوذ باللہ السميع العليم من شیطان الرجیم بسم الله الرحمن
الرحیم الحمد لله رب السموات والارض والصلوة والسلام
على افضل الانبياء والمرسلين ابی القاسم محمد و آلہ
الطاهرين ولعنة الله على اعدائهم اجمعين اما بعد فقد
قال الله سبحانه تعالى في كتابه المبين و هو اصدق الصادقين
والهكم الله واحدا لا اله الا هو الرحمن الرحيم۔
دے رسول اکرم دو کہ تمہارا خالق کوئی نہیں ہے مگر اللہ جو ایک ہی رحمان

بھی ہوا اور رحیم بھی)

بے شک مسئلہ وجود باری عز اسمہ اس درجہ دشوار سمجھا جاتا ہے جس کی حد نہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ دشوار ہے مگر ساتھ ہی بے انتہا سہل بھی ہے۔ جو لوگ اس مسئلہ میں الجھ کر رہ گئے وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کا وجود ماننے کے لئے اس کا دیکھنا یا کسی جس سے محسوس ہونا ضروری ہے اور خدا چونکہ جس بشری سے بالاتر ہے اس لئے اس کا وجود قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک حق بصر کا تعلق ہے اس پر اعتماد کرنا تو اس منزل میں بالکل خلاف عقل اور لاعا صل ہے اس لئے کہ ہم اپنی زندگی میں ہزار ہا ایسی چیزوں کا یقین رکھتے ہیں جن کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے چمن میں جا کر پھولوں کی مہک سونگتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ موجود ہے مگر آنکھ سے کبھی اسے نہیں دیکھتے۔ آوازوں کے سوز و گداز پھولوں کے ذائقے اشیا کی سختی اور نرمی، گرمی اور ٹھنڈک کو ہم محسوس کرتے ہیں اور ان تمام چیزوں کے وجود کا یقین رکھتے ہیں مگر نظر سے کبھی ان کو نہیں دیکھا اس لئے حاسہ نظر پر اعتماد کر کے خدا کا انکار کر دینا کسی طرح قرین عقل نہیں ہو سکتا اب رہی یہ بات کہ ہم ان چیزوں کو آنکھ سے نہ سہی دوسرے حاسوں سے محسوس کر سکتے ہیں مگر خدا کی ذات تو کسی حاسہ سے بھی محسوس نہیں ہوتی تو ہم دریافت کریں گے کہ مقناطیس کی قوت جاذبہ کو کس نے حاسہ بنایا اسی طرح حیوانی اور نباتی اجسام میں روح کی کرشمہ سازیوں کو جس کی کس قسم سے معلوم کیا گیا۔ حیرت ہے کہ ہم ہزار ہا چیزوں کے وجود کا یقین رکھتے ہیں جنہیں ہمارا کوئی حاسہ محسوس نہیں کر سکتا مگر محض ان کا اثر دیکھ کر ہم ان

کے موثر کا پتہ لگاتے ہیں۔ بلب کو روشن دیکھ کر اور شیشوں کو چلتا ہوا دیکھ کر دیکھتے ہوئے قوت برقی کے وجود کا ہمیں یقین حاصل ہوتا ہے۔ اعضاء و جوارح کی حرکت روح کے وجود کو ظاہر کر دیتی ہے، سیاروں اور ثوابت کا نظام ان کی باہمی کشش اور جذب پر دلالت کرتی ہے اور ہمیں کبھی اس میں کوئی شبہ نہیں ہوتا کیونکہ ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اثر بغیر موثر کے ہو ہی نہیں سکتا۔

کیا اس کے بعد بھی اب اس میں کوئی شک رہ سکتا ہے کہ اس کائنات کی خلقت بغیر خالق کے نہیں ہو سکتی خوشبو نے پھول کا پتہ دیا۔ شیشوں کی حرکت نے گہرائی طاقتوں کی طرف اشارے کئے۔ گردش کو اکب نے نظام سیار و ثوابت کے اسباب سمجھائے تو جب اس کائنات کے ہر ذرے کی حرکت اور اس کا سکون کسی موثر کا پتہ دے سکتا ہے چاہے اسے ہمارے مادی حواس محسوس کریں یا نہ کریں تو یقیناً یہ ساری کائنات بل کر اپنے حقیقی موثر اور خالق کا بھی پتا بتا سکتی ہے جس نے اپنی قدرت کا ملہ سے اس کو خلعت وجود سے آناستہ کر دیا اور ان میں تاثیریں بخشیں جن تاثیروں کی بدولت عالم کی ہر چیز اپنی راہ پر گامزن اور اپنے کام میں مصروف ہے۔ (صلوٰۃ)

ہماری بنائی ہوئی مشینیں بگڑتی اور بنتی رہتی ہیں۔ ہم ان کو کتنی ہی مشقت سے تیار کریں، کتنی ہی دولت ان کے بنانے میں لگادیں، بہترین پرزے استعمال کریں لیکن پھر بھی اس کی کوئی بھی شخص ذمہ داری نہیں لے سکتا کہ وہ چلتے چلتے رک نہ جائیں گی۔ اور کام کرتے کرتے بگڑ نہ جائیں گی۔ اس نقص

وعیب اور کمزوری کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ بغیر بنانے والے کے وہ نہ بن سکیں اور بغیر دستِ صنّاع کی امداد کے وہ تیار نہ ہو سکیں تو پھر اب اندازہ کیجئے کہ یہ سیاروں کا نظام، یہ افلاک کی گردش، یہ لیل و نہار کی کرٹیں، یہ گرمی اور یہ سردی کے دور یہ نور و ظلمت کے اُجالے اور اندھیرے یہ نبات و جماد کی صلاحیتیں، یہ فصلوں کا تغیر، یہ رنگوں اور ذائقوں کا اختلاف، یہ زمینوں کی تربیت اور برگ و بار کا نظام، بہار اور خزاں کا پلے درپلے آنا اور جانا۔ اس نظم و ترتیب میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس انتظام میں کوئی خلل نہیں آتا۔ تو جب ناقص اور پر عیب بغیر موثر اور بلا کسی علت و سبب کے نہ بن سکا تو بے عیب کائنات اور یہ کمال و اکمل مخلوق بغیر کسی صنّاعِ حکیم اور قیادِ علیم کے کیونکر بن سکتی ہے۔ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی خدمت میں کسی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور کار سازِ عالم کے وجود کو سمجھائیے۔ ہم کیونکر سمجھیں کہ اس جہان کا کوئی پیدا کرنے والا موجود ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ البعۃ تدل علی البعید و الردۃ تدل علی الحمید و آثار القدام تدل علی المسیر فہیکل علویٰ بھذا اللطافۃ و مرکز سفلیٰ بھذا الکشافۃ کیف لا یدلان علی اللطیف الخبیر۔

(اونٹ اور گدھے کے نسنے بتا دیتے ہیں کہ ادھر سے یہ جانور گزرے ہیں اسی طرح انسان کے نشانات قدم اس کی چال کی خبر دیتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے موثر کے قدم اس طرف آئے تھے تو کیسی حیرت

کی بات ہے کہ یہ معمولی چیزیں تو اپنے مؤثر اور اپنی علتوں کے وجود کی طرف اشارہ کریں مگر یہ بلند آسمان اپنی لطیف صنعت کے ساتھ اور یہ کثرۃ ارض اپنے حجم ثقل اور وزن کے ساتھ اور ان صنعتوں کے باوجود جو صنایع قدرت نے اس کے دامن میں ودیعت فرمائی ہیں کیا کسی لطیف و خفیر صانع اور کسی حکیم مطلق پر درگاہ کے وجود کو نہیں بتا سکتیں۔

یقیناً بتاتی ہیں اور بلاشبہ ہمیں اس خالق عالم کے وجود سے آگاہ کرتی ہیں جس کے کہ شمع قدرت نے عدم کو وجود سے بدل دیا جس کی آواز ممکن نے دامن کائنات کو نیگوں سے بھر دیا اور بیوٹی اور مادے کے خشک وادیوں کو رنگ و بو کی جنتوں سے آباد کر دیا۔ ذالک تقدیر العزیز العظیم یہ سب اس فی اقتدار صانع کا معین اور مقدر کیا ہوا نظام ہے جو صاحب عظمت اور سب سے بڑا جاننے والا ہے (صلوٰۃ)

دنیا والوں کے بنائے ہوئے نظام بدلنے نہتے ہیں مگر جو اللہ ان سب خالق ہے اس کے مقرر کئے ہوئے راستوں میں فرق نہیں آسکتا اسی لئے قرآن نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت (رحمان کی صنعت و خلقت میں تم کو تفاوت اور تبدیلی نہیں ملے گی) کائنات کی کوئی طاقت اس کے مقرر کئے ہوئے نقشہ کو بدلنے پر قدرت نہیں رکھتی۔ ہاں اگر وہ خود ہی چاہے تو زمین آسمان بنا دے اور نور کو تاریکی کا لباس پہنا دے۔ خود اسی کی مشیت ہو تو بر کو بحر میں بدل دے اور سبزہ زاروں کو ریگستان بنا دے، پہاڑوں کو صحرا کر دے، سمندروں کو جہاں کے راستے خلق کر دے، رودنیل کے بہاؤ

کو روک کر کلیم اللہ کے لئے راہیں نکال دے اور اس میں کفر کو غرق کر دے
 اور ایمان کو نجات دیدے۔ اسی میں یہ قدرت ہے کہ وہ دریا کی موجوں
 سے ڈبوئے کی صلاحیت چھین لے اور صندوق موسیٰ کو وہی ڈبوئے والی
 موجیں اپنے کاڈھوں پر لئے ہوئے قصر فرعون تک پہنچادیں۔ (صلوٰۃ)
 کائنات کی ہر شے اس کے چشم و ابرو کے اشارے کی منتظر ہے وہ اگر
 نہ چاہے تو کچھ نہیں ہو سکتا اور اگر چاہے تو آگ کے شعلوں کی فطرت بدل سکتا
 اور جلائے کے بجائے برود و سلام بن کے ابراہیم خلیل کی نبوت کا رنگ جما
 دے اور نار میں نور کی برودت پیدا کر دے انکاروں کو چین کے پھولوں کی
 صفت دیدے۔ اس کی مشیت کے تابع ہے سارا عالم وہ اگر چاہے تو ہواؤں
 کو تسلط کر کے قوم ثمود کی طرح آبادیوں کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا
 ڈالے اور چاہے تو ان ہی آندھیوں اور طوفانوں کو اشارہ سلیمانی کا مطیع اور
 تابع کر دے اور پہاڑوں کو اڑا دینے والی ہوائیں بساط سلیمان کو اپنے دوش
 بلند کر کے فضا کے فاصلے طے کرتی رہیں۔ اس کی مشیت ہو تو پانی کی چادریں
 کمرہ زمین کے ہر کورہ پر غرور کو ڈبو کر اس کی نخوت کا نام و نشان تک مٹا
 دیں اور اگر ایک طرف سآوی الی جبل یعصم من الماء کی صدا
 حضرت نوح کے کانوں میں آتی رہے تو اس کے ساتھ ہی حال بینھا الموج
 کا جملہ تباہی دے کہ پہاڑوں کی بلندیاں الہی رفعت کے سامنے سرنگوں ہیں اور
 پانی کی نرم لہریں پتھروں کی نخوت کا یوں سرکچل دیتی ہیں۔ یہ اس کی مشیت
 تھی کہ کہیں یہی پانی پہاڑوں کو ڈبو تار مارا اور کہیں سفینہ نوح کو ابھارتا رہا یہ

تبانے کے لئے کہ پانی کا ہر قطرہ اور خاک کا ہر ذرہ نلک کا ہر ستارہ اور
سمندروں اور طوفانوں کا ہر دھارا اس کے اشارے کے سامنے بے بس ہے
اور اس کے حکم کے سامنے کائنات عالم کی ہر شے دم بخود ہے۔ وہی قادر
علی الاطلاق ہی تو ہے جس نے ایک مشت خاک سے لاتعداد انسان خلق
کر دیئے۔ ایک ہی پانی قطرے سے لاکھوں رنگ کے پھول کھلا دیئے اسی
کی قدرت ہے جس نے کبھی مثل سے مثل کو بنایا اور کبھی ضد سے ضد کو خلق کر دیا
کبھی برق کے شعلوں سے موسلا دھار پانی کی چادریں گرا دیں اور مرجع و عمارت
درختوں کی ہری بھری شاخوں کی رگڑ سے آگ کے شعلے بھڑکا دیئے۔ خلق
کرنا اور بنانا تو بڑی چیز ہے اس کی صنعت کے ظاہر ترین آثار کو سمجھنا بھی
عقلانے زمانہ کی طاقت سے باہر ہے۔ اس نے لاکھوں ستارے پیدا کر دیئے
جن میں کچھ تو ثابت ہیں اور کچھ سیارے ہیں جیسے چاند، سورج، مریخ عطارد
وغیرہ ان ستاروں اور ان سیاروں کی وسعت اور وزن کو سوائے خدا کے کوئی
دوسرا نہیں جانتا کیا کسی انسان میں یہ قدرت ہے کہ وہ ان کی حرکت کو روکے
یا ان کی رفتار کو آگے پیچھے کر دے یا ہے کوئی ایسا آلمہ جو ان کا وزن تبارے
وہ کون سی طاقت و قوت ہے جو ان کو چلا بھی رہی ہے اور ان کے وزن کو
بھی سنبھالے ہوئے ہے یہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں بلکہ اس لا شریک خدا کی
قدرت کا ملکہ ہے جس نے ان سب کو خلق کر دیا۔ (صلوٰۃ)

یہی وہ صنعتیں اور کمالات الہیہ ہیں جن کا مشاہدہ کر کے ہر صاحب عقل
سلیم پکار اٹھتا ہے سرتینا ما خلقت هذا یا طلالاً (پروردگار بیشک

تو نے ان چیزوں کو بیکار نہیں بنایا، کون ہے اور کس کی مجال ہے کہ وہ ان صنایعوں کی مدح کر سکے اور کس زبان میں طاقت ہے کہ خالق کائنات کے حسن کی تخلیق کی ثنا کر سکے تو پھر وہ خود ہی اپنی ثناء فرماتا ہے۔ کبھی تبارک اللہ احسن الخالقین کہہ کر مبارک ہے وہ ذات جو تمام خلق کو نے والوں سے افضل و بہتر ہے، اور کبھی اپنی صنایعوں کی قسم کھا کر قی السمیں قی حطھا و القمر اذ اتلھا سورج کی قسم

اور اس کے نور کی قسم اور چاندنی کی قسم جب وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ قی الٹھا اذ اجلھا و المیل اذ ایشھا و السماء و ما بینھا و الارض و ما طحھا اور دن کی قسم جب وہ آفتاب کو آشکار کر دے یا ظلمتوں کو دھند کر دے اور شب کی قسم جب وہ سورج کے نور کو چھپا دے یا زمین کو گھیرے اور آسمان کی قسم جس نے اسے خلق کیا اس کی قسم۔ پھر فرماتا ہے اور زمین کی قسم اور جس ذات نے اس کو بچھا دیا ہے اس کی قسم، یہ قسمیں ہیں یا صنعت الہی کی ثنا ہے جو لب قدرت سے ہو رہی ہے۔ اس نے سورج اور چاند کی بھی قسم کھائی اور حد ہے کہ ستارے کی بھی قسم کھائی مگر اس کی روشنی کی نہیں اس کی رفتار کی نہیں، اس کی خوبصورتی کی نہیں بلکہ صرف اس کے کسی گھر کی طرف جھکے ہوئے انداز کی۔ قی الثجر اذ اھوی تارے کی قسم جب وہ گرا اور اس قسم کے بعد اپنے حبیب کی گواہی بھی دی ما جئل صاحبک و ما ھوی تھارا ساحتی یعنی خاتم المرسلین نہ تو کبھی گمراہ ہوا اور نہ بہکا۔

بے شک انسان کی کیا طاقت اور کیا مجال ہے کہ وہ نظام قدرت کو بدل

کے اور اللہ کی قاضی کی ہوئی ترتیب میں خلل ڈال سکے لایتدیل الخلق اللہ
 (خدا کی خلقت میں تبدیلی ممکن ہی نہیں، ہاں اگر کوئی بدل سکتا ہے اس نظام
 کو تو وہ خود یا وہ بدل سکتا ہے جسے وہ کائنات پر تصرف کرنے کا اختیار عطا
 فرمائے ہوئی کا وعدہ اٹھانا تو خدا ہی کے اذن کے بغیر ہرگز ممکن نہیں ہے۔ پھر میں
 دوبارہ زندگی دی تو اسی کی مشیت سے عیسیٰ نے انھوں کو بینائی دی اور مردوں میں حیات واپس
 کی تو خدا ہی کے اذن و مشیت سے محمد کے اشارے نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا تو اسی
 کے اشارے سے علی نے ڈوبے ہوئے سورج کی طنابیں کھینچ لیں تو اسی کی
 قوت سے اور نبی کے ہاتھوں پہ آکے سنگریزے بولنے لگے تو اسی کے دیے
 ہوئے اقتدار سے اور ستارہ سیدہ عالم کے گھر میں اتر آیا تو اسی کی مشیت
 بہت سے لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ اتنا بڑا ستارہ سیدہ عالم کے
 گھر میں کیسے اتر آیا لیکن اگر پورا قرآن ایک نقطہ میں آسکتا ہے تو ستارہ بھی
 ایک گھر میں سا سکتا ہے یا اگر ارشاد امیر المومنین کے مطابق انسان کے چھوٹے
 سے جسم میں عالم اکبر و آفاق و انفس کی سمائی ممکن ہے تو ستارہ بھی سیدہ کے گھر میں سا
 سکتا ہے گھر دہرا کا تھا اور خود ستارہ دہرا تھا جسے ابراہیم خلیل نے دیکھ کر فرمایا تھا کہ ہذا
 ربی یہ میرا پروردگار ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا کہ غروب ہو گیا لا خدا نہیں ہو سکتا مجھے
 نہیں معلوم کہ خلیل نے اور ستاروں کو چھوڑ کر نہ رہا ہی کو ہذا ربی کہنے کے لئے کیوں منتخب
 کیا تھا۔ شاید اسلئے کہ مجازی و معنوی بھی اگر طے کسی تسکے کو تو اسی کو طے جو سید عالم کی چوٹ سے جبرائیل کے
 رسلو، یہ گھر تھا ہی وہ جہاں ہمیشہ آیات الہیہ کا نزول ہوتا رہا۔ فلک سے مادہ
 اتر، سدرہ سے ملک اترے، لوح محفوظ سے قرآن کی آستین اتریں، عرش سے

وحی اتری، جنت سے رضوان اتر ا اور بزم انجم سے ستارہ اتر ا اور یہ فضا بلیتیں
 دیکھ کے دشمنوں اور حاسدوں کے چہرے اترے۔ یہ گھروہ تھا جس کی رفعت کی
 گواہی قرآن نے دی، جس کی عظمت رسول نے سلام کر کے بتائی۔ یہ درودہ تھا جس
 پر جھکنے میں فرشتے اپنی عزت سمجھتے تھے۔ جس پر سائلی کی صورت میں جانا ملائکہ
 اپنی رفعت جانتے تھے۔ کون بتا سکتا ہے کہ اس گھر کی اور اس گھر کی رہنے والی
 سیدہ ذہان عالم کی منزلت کیا تھی۔ یہ تو قرآن سے پوچھیے یا خود رسول سے
 دریافت کیجئے تو وہ بیٹی کی تعظیم کر کے بتائیں گے کہ منزلت فاطمہؑ کیا تھی مسافر
 عرش جس کی تعظیم کے لئے اٹھے اس کی عزت کو کیوں کر بیان کروں۔ بس حد یہ
 کہ رسول نے ایک جملہ میں فاطمہؑ زہراؑ کی عزت ظاہر کر دی یہ فرما کر لولا علیؑ
 لما کان لفاطمہ کفوا۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عالم میں فاطمہؑ کا کوئی ہمسر
 نہ ہوتا، اور اگر علیؑ کے علاوہ سیدہ عالم کا کوئی ہمسر نہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی میدان
 مباحہ میں ضرور آتا لیکن اس میدان میں جہاں اسلام کے وقار کا سوال تھا اور
 جہاں حق و باطل کا فیصلہ کرنا تھا، عالمین کی نمائندگی جن ذوات مقدسہ نے
 ان میں صنفِ نساء کی ایک ہی فرد تھی اور وہ سیدہ عالم محقق اب کوئی یہ
 نہ کہے کہ قرآن نے نساء و نساء کھ فرمایا ہے اور لفظ "نساء" جمع کے
 لئے آتی ہے واحد کے لئے نہیں بے شک "نساء" جمع کے لئے لیکن یہ بھی یاد
 رکھنا چاہیے کہ جب ایک فرد کی عظمت پوری قوم کے برابر ہوتی ہے تو پھر
 اس فرد کو ابراہیم خلیلؑ کی طرح فرد نہیں بلکہ امت کہا جاتا ہے۔ (صلوٰۃ)
 فضیلت سیدہ عالم پر اتنی حدیثیں کتب اسامیث میں موجود ہیں جن کا شمار

آسان نہیں ہے ان میں سے اس موقع پر تہر کا چند روایات بیان کرتا ہوں۔
 تاریخ بغداد میں ہے عائشہ بیان کرتی ہیں کہ جناب رسالتاً نے ایک روز
 فرمایا یا فاطمہ ابشری فان الله تعالى اصطفك على نساء
 العالمین (اے فاطمہ تم کو نبیارت ہو کہ خدا نے تمہیں عالمین کی تمام عورتوں
 پر فضیلت عطا کی ہے اور ان سب میں تم کو باعتبار فضیلت منتخب فرمایا ہے)
 اسی طرح دیلمی نے فردوس میں لکھا ہے کہ پیغمبر نے فضائل فاطمہ زہرا میں ارشاد
 فرمایا۔ فاطمہ سیدۃ نساء اہل الجنة فاطمہ زہرا حجت کی تمام عورتوں کی
 سردار ہیں، کیا کہنا منزل سیدۃ عالم کا باپ ملا تو سید المرسلین، شوہر ملا تو
 سید الوصیین، بیٹے پائے تو سید الشبَاب اہل جنت اور خود سیدہ زنان عالمین۔
 یہ گھر وہ تھا جس کی چار دیواری سیادت و سرداری ہی سے گھری ہوئی تھی۔
 یہاں تک کہ جو سلسلہ اولاد فاطمہ میں شامل ہو گیا، ہمیشہ کے لئے سیادت و سرداری
 اس کے نام کا جزو بن گئی اور اب تو قیامت تک اس نسل کے سایہ میں سیادت
 نے خیمے ڈال دیئے ہیں۔ ناواقف لوگوں نے پیغمبر کی اور بھی بیٹیاں ثابت کی ہیں
 لیکن یہ سب قطعاً غلط ہے۔ آپ کی صرف ایک ہی بیٹی تھیں اور وہ جناب
 فاطمہ زہرا ہی تھیں۔ جن دوسری بیٹیوں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ رسول کی بیٹیاں نہ
 تھیں بلکہ حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ کی لڑکیاں تھیں جن کی شادیاں پہلے کفار کے
 ساتھ ہوئی تھیں ظاہر ہے کہ اگر وہ رسول کی بیٹیاں ہوتیں تو کافروں کے ساتھ
 ان کی شادی ہونا ممکن نہ تھی۔ اور پھر عجیب بات ہے کہ اس قدر شد و مد سے
 ان کو رسول کی بیٹیاں ثابت کیا جاتا ہے مگر تذکرہ اولاد نبوی میں ان بیٹیوں

کی کسی فضیلت کا اور باب سیر و تاریخ نے نہیں کیا اور اس کے برخلاف حضرت فاطمہ زہرا کی فضیلت میں مستقل ابواب لکھے گئے ہیں اور ہر سیرت کی کتاب ذکر فضائل سیدۃ عالم سے بھری ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی حقیقی بیٹی سوائے سیدۃ عالم کے کوئی دوسری نہ تھی۔

عظمت سیدۃ عالم کی انتہا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام مغیر کی یہ حدیث بیان فرماتے ہیں۔ ان الله لي غضب فاطمة ^{لغضب} و يرضى لرضاها و فاطمة لا غضب خدا کا غضب ہے اور ان کی رضا خدا کی رضا ہے (مشورہ یہ روایت جسے صاحب مناقب نے بھی لکھا ہے۔ اذ اکان يوم القيمة وقف

الخلائق بين يدي الله تعالى نادى مناد من وراء الحجاب ايها الناس عضوا الصائم كعدو نكسوا اسرق سكره فان فاطمة بنت محمد بحوزة علي الصراط (جب قیامت کا دن آئیگا اور تمام مخلوق بارگاہ خدا میں حاضر ہوگی اس وقت ایک منادی آواز دے گا۔ اے انسانو اپنی آنکھیں بند کر لو اور اپنے سروں کو جھکا لو اس لئے کہ محمد عربی کی پارہ جگر فاطمہ علی صراط سے گزر رہی ہیں۔ سات سرنگوں ہوگی نگاہیں بند ہوں گی کس کی مجال ہوگی کہ وہ آواز قدرت کے بعد نگاہ اٹھائے کی جوأت کر سکے اور سیدۃ عالم اس طرح حوروں کے جھرمٹ میں صراط سے گزریں گی کہ خود ناقہ فور پر سوار ہوگی، سراقہ س پر تاج نوہ ہوگا جو تلوے کی طرح چمک رہا ہوگا اور آپ کی سواری کے مین و یسار میں ہزار ہا فرشتے ہونگے اور روح الامیں ناقہ کی ہمارے ہوں گے اور جس طرح شب معراج باپ کی

سواری کے ساتھ سدرۃ المنتہی گئے تھے اسی طرح میدانِ حشر میں بیٹی کی سواری کے ہمراہ ہوں گے پھر یہ سواری فاطمہ زہرا کی آگے بڑھ کے عرش کے سامنے پہنچے گی اس وقت سیدۃ عالم خدا کی بارگاہ میں عرض کریں گی۔ الہی و سیدی اُحکم بیتی و بین من ظلمنی اُحکم بیتی و بین من قتل و لدی داسے پالنے والے! اے میرے خدا! اے میرے سید و آقا اب تو میرے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما دے جنہوں نے مجھ پر ظلم و ستم کیا اور میرے فردِ حسینؑ کو قتل کر ڈالا۔ فاذا اللہ اء من قبل اللہ یا حبیبی و سیدی ذریتی و شیعۃ ذریتی دوشے خدا کے حکم سے نڈا بلند ہو گی۔ اے فاطمہ! اے میرے حبیب محمدؐ کی محنت جگر جو کچھ تو مجھ سے طلب کرے گی وہ سب تجھے عطا کیا جائے گا یہ ندائے غیب سن کر سیدہ عالم عرض کریں گی۔ پروردگار! میں اپنی ذریت اور اپنے اور اپنی ذریت کے شیعوں کی شفاعت چاہتی ہوں۔ آواز آئے گی۔ این ذریتہ فاطمہ و شیعہا و محبۃا و محبۃا و محبۃا و محبۃا۔ کہاں ہے ذریت فاطمہ اور کہاں ہیں اس کے شیعہ اور اس کی ذریت کے چاہنے والے۔ یہ سن کر وہاں کے لوگ کہیں گے قدامتِ بھرملا شکتۃ الرحمة (ان سب کو تو ملائکہ رحمت نے اپنے حصار میں لے لیا ہے۔ اس وقت سیدہ عالم ان کے قریب تشریف لے جائیں گی حتیٰ تَدْخُلُھُمُ الْجَنَّةَ اور ان سب کو جنت میں داخل کریں گے۔ مگر عزا داران سیدہ! روایت میں بس اتنا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی تو ہے دھبی اختدۃ بقیص المحبین ملطیم بالآدم وقد تعلق بقائم العرش تقول رب اُحکم بیتی و بین

قاتل ولدی الحسینؑ اس وقت سیدہ عالم کے ماتھے میں حسینؑ بن علیؑ کا خون آلودہ پیرا ہن بھی ہو گا اور قائمہ عرش سے لپٹ کر معصومہ عالم فریاد کریں گی کہ اے میرے پالنے والے! میرے فرزند حسینؑ کے قاتل اور میرے درمیان اب فیصلہ فرما، یہ سن کر قیامت میں ایک قیامت پیدا ہوگی اور تمام عالمین فریاد سیدہ سے کانپنے لگیں گے۔

جس طرح رضائے فاطمہؑ رمنائے خدائے حق اسی طرح محمدؐ عربی بھی وہی چاہتے تھے جو فاطمہؑ کی مرضی ہوتی تھی اور دنیا میں اگر آپ صنفِ نساء میں کسی کو سب سے زیادہ چاہتے تھے تو وہ سیدہ عالم ہی تھیں۔

عبداللہ بن عطا سے روایت ہے۔ پیغمبرؐ سے کسی نے دریافت کیا اُتی النساء احب الیک یا رسول اللہؐ (عورتوں میں سب سے زیادہ آپؐ کے عزیز رکھتے ہیں آپ نے جواب دیا فاطمہؑ کو پھر پوچھنے والے نے دریافت کیا اچھامروں میں کس سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں فرمایا نہ و جھا (فاطمہؑ کے شوہر علی مرتضیٰ کو)۔

جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی یہ روایت تو سب ہی جانتے ہیں جس میں پیغمبرؐ نے فرمایا ہے فاطمہؑ بضعتہ منی من آمن اھا فقد اذانی و من اذانی فقد اذی اللہؐ (فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے خدا کو تکلیف دی۔ اس سے مشابہ فریقین کی کتابوں میں سیکڑوں روایتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عالم کو پیغمبرؐ کس قدر چاہتے تھے اور اسی

آپ کی یہ عادت تھی کہ جب کبھی آپ سفر پر جاتے تھے تو سب کے آخر میں اپنی بیٹی سے رخصت ہوا کرتے تھے اور واپسی پر سب سے پہلے قافلہ زہرا سے ملنے آتے تھے اور جب تک کیلجے سے بیٹی کو نہیں لگا لیتے تھے دل میں ٹھنڈک نہیں پڑتی تھی۔

ان روایتوں کے علاوہ ایک حدیث یہ بھی ملتی ہے اور یہ عائشہ سے منقول ہے اور صاحب "مناقب" نے اسے نقل کیا ہے — وہ کہتی ہیں ان فاطمہ اذا دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قام لہا من مجلسہ وقبل راسہا و اجلسہا مجلسہ رجب سیدہ عالم رسول کی خدمت میں آتی تھیں تو پیغمبرؐ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور بیٹی کے سر کو بوسہ دیتے تھے اور جس جگہ پر خود تشریف فرما ہوتے تھے وہاں ہٹ کر اس جگہ پر بیٹی کو بٹھاتے تھے، اب دنیا خود ہی انداز کر سکتی ہے کہ یہ فعل کسی خاطی یا کسی عام انسان کا نہ تھا بلکہ اس کا عمل اور طریقہ تھا جس کی یہ صدا تھی کہ ان اتبعہ الامایہ حتی الی (میں تو صرف اسی کا تابع ہوں)، لہذا قرآن مجید کی نص صریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سب کچھ مشیت باری تعالیٰ کے مطابق تھا تو پھر جس کی خاتم المرسلینؐ اس طرح تعظیم فرمائیں خود اس کی عصمت میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ (صلوٰۃ)

لیکن اتنی عظمت کے باوجود ساری عمر کلی پیس کے گزار دی۔ ہاتھوں سے خون بہنے لگتا تھا اس قدر آسیر گردانی کرتی تھیں کہ فضہ کینز بھی خدمت کے لئے موجود تھی مگر کبھی یہ گوارا نہ کیا کہ کینز سے مسلسل کام لیں اگر ایک روز کینز گھر

کا کام کرتی تھی تو دوسرے روز نبی زادی فرائض خانہ داری کی انجام دہی کرتی تھیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ بعد وفات رسالت آپ کتنے روز زندہ رہیں۔ کم سے کم چالیس روز کی مدت بیان کی گئی ہے اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ماہ کی ان دو حدوں کے درمیان بہت سے اقوال ملتے ہیں لیکن معتبر ترین قول یہ ہے کہ صرف ۹ روز زندہ رہیں۔ جب تک زندہ رہیں تاریخیں بتائی ہیں کہ سیدہ عالم کبھی نہیں بنیں اور ہمیشہ روتی رہیں اور دوسری وجہ سے پیشانی مبارک پر کپڑا باندھے رہتیں۔ دم بدم غش آتا تھا۔ حد سے زیادہ نحیف و زار ہو گئی تھیں۔ اکثر آپ اپنے دونوں بچوں حسن و حسین سے فرمایا کرتی تھیں کہہاں ہیں تمہارے وہ نانا جو تمہاری عزت کرتے تھے۔ تم کو گودی میں اٹھاتے تھے اور سب سے زیادہ تم پر شفقت کرتے تھے۔ اب میں کبھی ان کو اس دروازے سے آتے نہ دیکھوں گی۔

جناب رسالت مآب کے انتقال کے بعد حضرت بلالؓ نے اس کا ارادہ کر لیا تھا کہ اب کسی کے لئے وہ اذان نہ کہیں گے۔ ایک دن جناب فاطمہؓ نے خواہش ظاہر کی کہ اپنے والد کے موزن کی اذان سنیں جب اس کی خبر بلالؓ کو ملی کہ سیدہ عالم کو ان کی اذان سننے کا اشتیاق ہے تو بہت خوش ہوئے نماز کا وقت آیا تو مسجد میں گئے اور اذان دینا شروع کر دی۔ ادھر بلالؓ نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی ادھر سیدہ عالم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور باپ کا زمانہ یاد آنے لگا یہاں تک کہ بلالؓ نے آواز بلند کی اَشْهَدُ اَنَّ

مُحَمَّدًا اَسْرَسُوْا اللّٰهُمَّ بِسْمِیْہ سُننا تھا کہ نبی زادی نے ایک نعرہ مارا اور
 غش کھا کے منہ کے بھل زمین پر گر پڑیں لوگ دوڑ ہوئے مسجد میں گئے اور
 بلالؓ سے کہا اے مؤذن رسولؐ بس اذان کو روک دو۔ سیدہؓ نے دنیا سے
 رحلت کی۔ بلالؓ گھبرا کے چُپ ہو گئے۔ وہاں سیدہؓ کو غش سے آفاقہ ہوا تو
 فرمایا بلالؓ سے کہو اذان کو پورا کریں لیکن بلالؓ نے اذان کو پورا نہ کیا اور عرض
 کیا کہ اے سردار زنانِ عالم مجھے اب خوف ہے کہ جب آپ میری آواز
 سنیں گی تو آپ کو بیدار نہ ہو گا اس لئے مجھے اس حکم کی اطاعت سے منہ
 فرما دیجئے۔

حضرت امیر المومنینؓ فرماتے ہیں کہ جس قمیض میں میں نے رسول اللہؐ کو
 غسل دیا تھا اس کو دیکھنے کا سیدہؓ اکثر اشتیاق ظاہر کرتی تھیں لیکن جب میں
 نے ان کو وہ قمیض دکھائی اور سیدہؓ نے ان کو سونگھا تو فوراً چیخ مار کر بیہوش
 ہو گئیں۔ امیر المومنینؓ نے سیدہؓ عالم کے رونے کے لئے خاص طور پر چست قمیض
 میں ایک مکان بنوایا تھا جس کا نام بیت الاِتران رکھا تھا۔ آپ کا معمول
 تھا کہ دن بھر اس بیت الاِتران میں جا کر باپ پر رویا کرتی تھیں۔ عزا داد
 یہی بیت الاِتران تو تھا جس میں بعد شہادت حسینؑ ام البنینؑ مادرِ قمر بنی ہاشم
 ابو الفضلؑ جس بھی جا کر رویا کرتی تھیں اور عباسؑ بن علیؑ کے یتیم فرزند عبید اللہؑ کو
 گود میں لے کر اس طرح بین کرتی تھیں کہ سننے والوں کے کیجے شق ہوتے تھے
 عزا دارو! سیدہؓ عالم نے فقط باپ کی قمیض دیکھی تھی تو بیہوش ہو گئیں
 لیکن مجھے نہیں معلوم سیکھنے پر کیا گزری ہو گی جب باپ کا کٹا ہوا سر نیزہ پر

نظر آیا ہو گا اور جس سینے پر سویا کرتی تھیں۔ اس کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلتے ہوئے دیکھا ہو گا۔ سیدۃ عالم نے باپ کے مؤذن بلالؓ کی فقط آواز سن لی تھی تو غش آگیا اور ہوش و حواس جاتے رہے مگر ہائے ثانی نہ ہرگز سبب کی مصیبت زمین کر بلا میں زلزلے آرہے تھے خیموں میں آگ لگی ہے چادریاں سردوں سے لونی جا رہی ہیں، بھائی تین دن کا جھوکا دپیاسا تہ خنجر ہے اور بہن درخیمہ پر کھڑی ہوئی فریاد کر رہی ہے اور ماں جائے کو قاتل سے نہیں بچا سکتی سیدۃ عالم کی وفات مشہور روایت کی بنا پر تیسری جمادی الثانیہ ۱۱ھ کو ہوئی تھی لیکن بعض مورخین نے اور بھی تاریخیں لکھی ہیں۔ وقت وفات آپ نے جو وصیت کی تھی وہ یہ تھی۔ کہ اے علی ابن ابی طالب! آپ ہی میرے فرائض غسل و کفن کو انجام دیجئے گا اور میرے اُپر نماز پڑھیے گا اور مجھے رات کے وقت دفن کیجئے گا تاکہ کسی نامحرم کی نظر میرے جنازے پر نہ پڑے اور کسی کو میری موت کی اطلاع بھی نہ دیجئے گا۔ پھر اپنی اولاد کی طرف خطاب فرمایا کہ میں تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔

جب اسامہ بنت عیس نے ایسے صندوق کی شکل بنا کر سیدۃ عالم کو دکھائی جس میں میت کے پردے کا بڑا اہتمام تھا تو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور ہنسنے لگیں۔ رسولؐ کی وفات کے بعد مرتے دم تک آپ سولئے اس موقع کے کبھی نہیں ہنسیں اور ہنسیں تو اس صندوق کو دیکھ کر جس میں آپ کی میت اٹھائی جانے والی تھی۔ علیؓ نے وصیت سیدۃ پر عمل کیا۔ میت کو شب میں اٹھایا غسل و کفن کا اہتمام کیا رات ہی کو بقیع میں دفن کر دیا مگر ایک قبر کے بجائے

چالیس قبریں ایک ہی طرح کی بنائیں تاکہ کوئی شخص قبر سیدہ کو پہچان کر کھود نہ سکے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ نبی رسولؐ کا انتقال ہو گیا اور ہم نہ جنازے میں شرکت کر سکے اور نہ نماز و دفن میں تو طے کیا گیا کہ قبر فاطمہؑ کو کھود کر لاش نکالیں گے اور اس پر نماز پڑھیں گے۔ شیر خدا کو خبر ہوئی کہ فاطمہؑ کی قبر کھودی جا رہی ہے یہ سنتے ہی ذوالفقار کو پیام سے باہر نکالا اور بقیع میں آکر بیٹھ گئے علیؑ کی آنکھوں میں موت اپنے قہر و جبروت کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ رگ گردن غصے سے پھولی ہوئی تھی اور وہ زرد عبا اوڑھے ہوئے تھے جو آپ سے ہمیشہ گھسان کی لڑائیوں میں اوڑھا کرتے تھے۔ علیؑ کا غصہ دیکھ کر مدینہ میں ہر شخص خائف تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ قبر فاطمہؑ کو ہاتھ لگا سکے کھودنا کیسا اور لاش کو نکالنا کیسا علیؑ فرما رہے تھے کہ میں نے اپنا حق تو اس لئے چھوڑ دیا تھا اور تلوار نہیں اٹھائی کہ اس میں مصلحت یہی تھی کہ صبر کروں لیکن فساد مطلق کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں علیؑ کی جان ہے اگر کسی نے قبر فاطمہؑ کی طرف ذرا رخ بھی کیا تو اس میں کو میں تم سب کے خون سے سیراب کر دوں گا۔ فاتح بدر و حنین اور شاہ خیمہ گیر کی تلوار کو بے نیام دیکھ کر کس ماں کے فرزند کی یہ برأت تھی کہ قبر کو چھو سکتا۔ علیؑ موجود تھے تو سیدہ کی قبر بچ گئی کھدنے سے مگر یا علیؑ آکے دیکھئے اب اسی مظلوم کی قبر مسمار ہو چکی ہے اور آپ کے شیعہ اپنی شاہزادی کی قبر مطہر پر فاتحہ پڑھنے کے لئے بھی ترستے ہیں۔ عز و ادوار جس ماں کا جنازہ اتنے اہتمام سے پردے کے ساتھ رات کی تاریکی میں اٹھایا گیا ہو۔ ہائے اسی کی بیٹیاں زینب و ام کلثومؑ رن بستہ دن کی روشنی میں بے یقین

ورد اکوفہ و شام کے بازاروں میں پھرائی گئیں اور تازیانوں پہ تازیانے کھاتی ہوئی صحراؤں میں وادیوں میں اور ناہموار راستوں میں برہنہ پشت اونٹوں پر اشیائے امت ان کو لے گئے اور ابن زیاد اور یزید کے درباروں میں ان کی توہین کی گئی۔

عزاد اسرا بن حسین اب آپ اپنے بارہویں تابعدار امامت کا سلام ان مخدرات عصمت و طہارت پر سنیے اور آپ بھی اپنی شاہزادیوں پر امامت وقت کے اس سلام میں شرکت کا شرف حاصل کیجئے۔

عزاد اصراف! یہ تمہارے امام زمانہ کا سلام ہے ان لا وارث مینزلوں پر جن کے سروں سے چادریں اتاری گئیں، ان ماؤں پر جن کی اولادیں ان کے سامنے تہ تیغ کی گئیں، ان بہنوں پر جن کے بھائی ان کی نگاہوں کے سامنے فوج کئے گئے اور ان بیٹوں پر جن کے باپ ان کی آنکھوں کے سامنے خون میں کوشتے رہے ان کا کچھ بس نہ چلا۔ امام فرماتے ہیں۔

السلام علی النسوة البائسات (میرا سلام ہوا ان لا وارث سیدانیوں پر جن کے سروں سے کربلا میں چادریں اتاری گئیں)

یساقون کا الاماء السبیات فی البیاض والفلوات دان تم رسیدوں کو، کینزوں کی طرح صحراؤں میں پھرایا گیا، ان کے چہرے دھوپ کی شدت میں جلے جا رہے تھے۔

اَیُّہُم مَّغْلُوْلٌ اِلٰی الْاَعْنَاقِ یُطَافُ بِہُمْ فِی الْاَسْوَاقِ دہائے افوس! ان بے گناہوں کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوئے تھے

اور انھیں بازاروں میں پھرایا جا رہا تھا۔

پھر فرماتے ہیں: فلما سرائن جوادك فخرتيا و نظرن سوجك
عليه ملوئيا بوزن من الخدوس ناشوات الشعور۔

اے جدِ مظلوم حسینؑ جب آپ کے اہلِ حرم کی اس پر نظر پڑی کہ آپ
کی سواری کا گھوڑا بغیر سوار کے آ رہا ہے اور اس کی زین کو ایک طرف
جھکا ہوا دیکھا تو بیاباں بال گھولے ہوئے خیوں سے باہر نکل آئیں،

على الخدو دلا طمات بالوجوه سافرات و بالعويل
داعیات و بعد العزمت للآت و الی مصرعک مبادات
رہائے افسوس! سیدانیاں اپنے رخساروں پر طمانچے مارتی ہوئی اور متعشہ دروا
فریاد کرتی ہوئی نکلیں جنہیں کینزوں کی طرح ذلیل کیا گیا تھا اور اے جدِ مظلوم
حسینؑ آپ کی لاش کی طرف دوڑتی ہوئی گئیں اور میتاب ہو کر آپ کو پکار
رہی تھیں۔ الا لعنة الله على القوم الظالمين و سيعلم الذين
ظلموا ای منقلب ينقلبون۔

استدعا

اس مسودہ مجلس عزائے حضرت سیدۃ عالم کو جو حضرات پڑھیں وہ سرکارِ حرم
کی روح پر فتوح کو اس کا ثواب ہدیہ کریں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجلس پنجم

شامِ غریباں

انرجنا بلا ملا شید ترا حیدر علی محمد ظہر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انْهَبِ الْاَعْنَهُمُ الرَّحِمَسُ وَطَهِّرْهُمُ اَتَابِعْدَ فَقَدْ قَالَ
اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فِی مَحْکَمِ کِتَابِ الْحَکِیْمِ اَفَعِیْدِ دِیْنِ اللَّهِ
اِنْ یَبْغُوْنَ وَلَیْهٖ اَسْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا
وَ کَرْهًا وَّ اِلَیْهِ یَرْجَعُوْنَ ۔

ارشاد رب العزت ہے۔ کیا خدا کے دین کے علاوہ کچھ اور چاہتے ہو
درا حالانکہ اسی کو تسلیم کرتی ہے ہر شے آسمانوں اور زمینوں میں وہ اطاعت
سے ہو یا کراہت سے اور سب کو اسی کی بارگاہ کی طرف رجوع ہونا ہے۔
بجز انسان کے ہر شے کے لئے تسلیم امر الہی مقدر ہے۔ ہر شے اپنے فریضے کو
ادا کئے جا رہی ہے اور یہی اس کی عبادت ہے۔ ہر شے اپنی زبان استعداد سے

اس کی تسبیح میں مصروف ہے اور سراسر وجود کائنات اس کے امر اور اس کی مرضی کا منظر ہے لیکن جہاں سے حیات شعور شروع ہوتی ہے، جہاں سے عقل اور اک کا آغاز ہوتا ہے۔ وہاں انسان اپنی مرضی کو آگاہ رکھنا چاہتا ہے یہ جان کر..... اور یہ معلوم رکھتے ہوئے حکیم علی الاطلاق جس نے انسان کو انسان ہی کی بھلائی کے لئے پیدا کیا ہے۔ انسانی حیات کے ہر گوشے کو اپنی مرضی کے تابع رکھنا چاہتا ہے۔ پھر اس انسان نے ہر دور میں شرع انبیاء کی مخالفت کی قطعاً اس لئے کہ انبیاء انسانوں کی ہوا و ہوس کے تابع نہ تھے۔ تاریخ انسان گواہ ہے جب کبھی انبیاء آئے جو مرضی الہی کے نمائندہ تھے تو انسانوں نے ان کا مذاق اڑایا۔

يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ يَوْمَئِذٍ سَأُولٌ لَّآ يَكُنُ لَهُمْ فَيْدٌ يَوْمَئِذٍ
يَسْتَهْزِئُونَ اور سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:-

أَن كُذِّبَتْ سَأُولٌ مِّمَّنْ لَّآ يَتَّخِذُ الْوَعْدَ بِشَيْءٍ
فَقَرِيعًا كَذَّبْتُمْ وَيَٰ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ۔ (جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول آیا جو تمہاری ہوا و ہوس پر چل نہ سکا کسی کو تم نے جھٹلایا اور کسی کو تم نے قتل کر دیا۔)

ذات واجب نوع انسانی میں سے اسے مصطفیٰ بندوں کو چرن لیا تھا جو لطف الہی کے آئینہ دار ہو کر انسان کو برائی سے باز رکھیں۔ نیکی کے نزدیک کریں حق و باطل کا علم عطا کر کے بندوں کو بارگاہ رب العزت کی بندگی کے راستوں پر ڈال دے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يَقْتُلَ الْمُؤْمِنِينَ

عَلِمَا مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَقٌّ يَمِينًا لِحَبِيبِكَ مِنَ الْخَلِيبِ - وَمَا
كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَالْكَفْرِ اللَّهُ يُخَيِّتُ مَنْ يُرِيدُ
مَا يَشَاءُ - (اللہ کبھی صاحبان ایمان کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا جب
تک یہ نہ بتلا دیں خبیث کیا ہے اور طیب کیا کیا ہے۔ اور نہ تم کو غیب کا علم
عطا کرتا ہے تم اپنی مرضی سے پاک ناپاک کا یقین کر لو بلکہ بندوں میں سے رسول
اور رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ مجتبیٰ کر لیتا ہے۔

تاکہ اللہ کی پسند اور ناپسند کو بندوں تک پہنچا دیں بلکہ انسانوں سے پہلی
عطی کی مجتبیٰ اور مصطفیٰ بندوں کا قیاس اپنی ذات پر کیا اور اپنی طرح ان کو
کہہ اور ان کے حکم میں خدا کے حکم میں فرق پیدا کرنے کی کوشش کی چنانچہ سورہ نسا
کی ایک سو پچاسویں آیت گواہ ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ
وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِمْ وَيَقُولُونَ
نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُتَّخِذُوا بَيْنَ
ذَلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا۔

(جنہوں نے اللہ سے کفر کیا اور رسولوں کا انکار کیا وہ ارادہ کرتے ہیں کہ
رسولوں میں اور خدا میں فرق ڈال دیں اور کہتے ہیں کہ بعض پر ایمان نہیں لائیں
گے اور چاہتے ہیں کہ درمیانی راہ اختیار کریں حقیقت یہ ہے کہ وہی کافر ہیں)
امر رسول امر خدا ہے اطاعت رسول اطاعت خدا ہے بیعت رسول بیعت
خدا ہے مرضی رسول مرضی خدا ہے رسول کی معصیت معصیت خدا ہے رسول کا
نا ماض ہونا اللہ کا ناما ماض ہونا ہے جس نے رسول کو ایذا دی اس نے خدا کو ایذا

دی یہ سب قرآن کے احکام ہیں اس لئے اسلام اس قصے میں تسلیم اللہ ہے کہ
تسلیم اللہ رسول ہے اگر کوئی رسول کے اس امر کو اس کی مرضی کو اس کے قوانین کو
اس کی شریعت کو تسلیم نہیں کرتا تو گویا رب العزت کی عالمی مرضی کو تسلیم نہیں
کرنا چاہتا ہے۔ مزاجِ مسلم میں اعتدال اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جو
احکامِ رسول کا پابند رہے اور اگر عدم اطاعت رسول سے یہ اعتدال بگڑ
جائے تو مسلم مجرم ہو جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ
كَالْمُجْرِمِينَ سورۃ نون قلم رکھا ہم علم اور مجرم دونوں کو ایک کریں
گے، فاتِ رسالت نے آیاتِ قرآنی کی تلاوت ہی نہیں کی بلکہ نفوسِ انسانی کا
مزہ فرمایا ہے کتاب و حکمت کی تعلیم دی ہے۔ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
وَ الْحِكْمَةُ وَ اِنْ كُنَّا مِنْ قَبْلُ لَنَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ
حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ افراد میں عدل رہے۔ اجتماع میں عدل رہے
شخصی زندگی میں اعتدال رہے اور اجتماعی زندگی میں ظلم نہ آئے پائے)
ہو اور ہوس انسانی کی مطابقت ظلم ہے۔ اور صریح ظلم ہے لیکن اطاعتوں
کے آنے کے باوجود انبیاء بھی قتل ہوتے رہے اور وہ انسان بھی قتل کئے گئے اور
جو قیامِ عدل چاہتے تھے۔ سورۃ آل عمران کی اکیسویں آیت گواہ ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيَّيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ
يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْآٰخِرَةِ
وَ مَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِيْنٍ ۝

جو لوگ آیات الہی کی تکذیب اور تکذیر کرتے ہیں اور بغیر حق انبیاء کو قتل کرتے اور انسانوں میں ان کو بھی قتل کرتے ہیں جو عدل کا حکم دیتے رہے ان کو دردناک عذاب کی خبر پہنچا دو دنیا و آخرت میں ان کا عمل منبٹ ہو جائیگا اور ان کا کوئی مدد کرنے والا نہیں رہے گا۔

سہ کار دو عالم ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری کوششیں یہی تھیں کہ تسلیم مطلق کی راہوں پر انسان آجائے جو اپنے نفس پر بھی ظلم نہ کرے اور نہ بندگان خدا پر ظلم کرے اور نہ دین حق کی تحقیر کر کے بنائے ظلم ڈالے یہی تربیت رسول خاتم نے اپنے نور نظر حسین ابن علیؑ کے لئے کی تھی یہ کہ سلسلہ ہدایت میں جب ان کی ذمہ داریوں کا وقت آئے گا تو محافظ شریعت بن کر نظام عدل کو قائم رکھنے کی کوشش کریں۔ دین کا مزاج عدل ہے ظلم بے دینی ہے۔ محمدؐ کا نواسہ ۲۸ رجب سنہ ۱ کو مدینہ سے اس علم و آگاہی کے ساتھ نکلتا ہے کہ میں نانائے دیئے ہوئے قوانین کی حفاظت کرنے کے لئے منتخب کیا جا چکا ہوں اور اس وقت میرا قیام ضروری ہے۔ بہنوں، بچوں، جوانوں اور عزیزوں کو ساتھ لے کر تیسری شبان کو مکہ معظمہ پہنچے۔ آپؐ رضی اللہ عنہ کہہ کر مکہ سے نکلے کہ کہیں کوئی نادان مکہ میں میرا ابو بہا کر حرمت خانہ کعبہ کو زائل نہ کر دے خطرناک راہوں سے گزرتے ہوئے دوسری محرم کو زمین کو بلا پر آئے۔ چوتھی کو خمیس حسینؑ کے دریا سے اٹھا دیئے گئے کو فہ سے لشکر پر لشکر آئے اور حسینؑ ابن علیؑ محصور ہوتے چلے گئے۔ ساتویں سے پانی بند کیا اور نویں کو امام ہر طرف سے گھیر لئے گئے شب عاشورا امام نے خطبہ دیا اور فرمایا بیت فاسق ناممکن ہے جس

کو جانا ہو جاتے۔ جس کو میرا ساتھ دینا ہو وہ رہے اس لئے انی للا اوی
المرأة الا سعادة و الحیام مع الظالمین الا لا و ندا یا۔
اس لئے کہ آج میرے لئے مر جانا سعادت ہے اور ظلم کرنے والوں کیساتھ
زندہ رہنا ذلت بھی اور ندامت بھی۔

حسینؑ کبھی ذلت کی زندگی کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ پھر عاشورے شکر و
میں صف آرا ہی ہوئی ہزاروں سے بہتر کی لڑائی تاریخ آدم و عالم میں یادگار رہ
گئی بار بار پوچھتے تھے کیا میں نے کوئی شریعت میں تبدیلی کی ہے کیا میں نے
کسی کا ہو بہا یا ہے کیا میں نے آئین اسلام بدل دیا ہے۔

امر علی شریعتہ غید تھا امر علی حماء سفلتھا۔

آخر مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ مگر ہوا ہوس کے تابع صرف ملکیت اور شاہی
کے دمساز و ہمراز تھے ایک ایک ساتھی صبح سے لڑنے کے لئے جاتا شہید ہوتا
حسین اس کی لاش اٹھا کر لاتے۔ حبیب ابن مظاہر گئے۔ مسلم ابن عوسجہ شہید ہو
ذہیر بن قین مارے گئے۔ عزیذوں کی باری آئی۔ سب سے پہلے ۱۸ برس کے
لال کو بھیجا حسینؑ نے اپنے جوان بیٹے کے کلیجے پر برہمی دیکھی پھر سنجے کی لاش
کو پامال سم اسپاں پایا زینبؑ کے جگر کے ٹکڑوں کی شہادت کو دیکھا۔ عباسؑ کو
دریا پر رخصت کیا چھ مہینے کے بچے کو بارگاہ رب العزت میں پیش کرنے کی عزت
حاصل کی اور چہرے پر علیؑ اصغر کا ہول کر ایک ننھی سی قبر کھودی بچے کو دفن
کیا سب کو خدا حافظ کر کے اب راہ حق میں سجدہ آخر کے لئے چلے گئے۔ مگر بلا
کے میدان میں عصر کا تنگ وقت ہے سر سے لے کر پاؤں تک زخموں سے چڑ ہو کر

گھوڑے سے گرے زمین پر سجدہ کیا اور آواز دی رضا بقضائہ و تسلیمًا
 لامرہ و صبراً علی بلائکم لا معبود سواک یا غیاث المستغین
 میں تیری قضا پر راضی ہوں، میں تیرے امر کے لئے تسلیم ہی کی منزل پر فائز
 ہوں میں تیرے ہر امتحان میں صبر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تیرے سوا کوئی
 معبود نہیں اہم پناہ چاہنے والوں کو پناہ دینے والے

اور ایسے میں عصر کا تنگ وقت ختم ہوا اور حسین کا سر نوک نیزہ پر آیا خیچے
 جلے بچیوں نے طمانچے کھائے۔ کہ بلا کے میدان میں شام ہوئی۔ یہی ہے شام
 غویاں جب بھر گھر دہرا کا اجر گیا۔ بچوں کو ان کے عزیزوں کے بزرگ ان کے
 چچا ان کے پردہ گرامی یاد آئے خصوصاً سکینہ بی بی، باپ کے بیٹے پر سونے والی
 گھر بھر کی آنکھوں کا تارا جس کا کرتہ جلا ہوا تھا جس کے کان زخمی تھے بابا کو
 پکارتے ہوئے، چچا کو ڈھونڈتے ہوئے مقتل میں آگئیں رات آدمی کے قریب پہنچ رہی
 تھی شہزادی زینب حیران تھیں جلے ہوئے خیموں میں بچی کو ڈھونڈ چکی تھی پادری عقی بی بی سکینہ
 کہاں ہوا ڈھونڈتی ہوئی قتل میں پہنچی۔ سکینہ، سکینہ، قتل گاہ میں پہنچیں۔
 دیکھا بچی باپ کے بیٹے پر سر رکھے ہوئے ہے۔ آواز دی سکینہ رات ہو گئی
 گھر چلو بیٹی۔ گھبرا کے کہا پھر بھی اماں میرے بابا اکیلے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلس ششم

عظیم قزیناں

ذاکرفاتح قرأت مولانا سید کلاصاوق صاحب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی تَبَارَكَ فِیْ کِتَابِهِ الْکَرِیْمِ قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَقْدَکَ فِی الْقُرْبٰی۔

قرآن کریم میں ارشاد رب العزت ہو رہا ہے کہ اے رسول آپ فرمادیں کہ میں تبلیغ رسالت کی اجرت اگر کچھ چاہتا ہوں تو وہ صرف یہ ہے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔

یہ خصوصیت صرف قرآن مجید ہی کی ہے کہ وہ جس طرح پیغمبر کے پاک ہاتھوں پر معجزہ تھا اسی طرح ہمارے گنہگار ہاتھوں پر بھی معجزہ ہے قرآن کا اعلان آج بھی قرآن کریم میں موجود ہے کہ اِن کُنْتُمْ فِیْ سَرَّیْبٍ مِّمَّنَّ

نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتَوْا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۖ
(اگر تم کو میرے کلام ربانی ہونے میں شک ہے تو کسی سورہ کا جواب

پیش کر دو)

مگر قرآن کے کسی سورہ کا جواب تیرہ سو برس میں دنیا پیش نہ کر سکی اسی بلندی کے اُچھٹنے میں مستقبل کی تصویر بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ عربوں کے درمیان قرآن اتر اٹھا اور اس دعوے کے ساتھ کہ میرا جواب پیش کر دو۔ تاریخ عرب شاہد ہے کہ پیغمبرؐ کی مخالفت میں صف آرائیاں ہوئیں، قتل و غارت ہوا، مال و اسبابِ ثواب بچے یقیم ہوئے، عورتیں بیوہ ہوئیں سوال یہ ہے کہ یہ سب کیوں ہوا۔ قرآن کے کسی ایک سورے کا جواب عرب کے ادا باطل کر بنا لیتے اور چلے قصہ ختم تھا۔ پیغمبرؐ کی نبوت آپ سے آپ ختم ہو جاتی مگر عربوں نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ تلوار سے فیصلہ چاہا۔ یہ طرز عمل خود اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ ان کے نزدیک قتل ہو جانا ممکن تھا، مال و اسباب کا لوٹا دینا سہل تھا مگر قرآن کے کسی ایک سورے کا جواب پیش کر دینا ناممکن تھا۔

بہر حال قرآن مجید کا یہ دعویٰ ۱۰ اعجاز آج بھی باقی ہے اور آج تک پوری دنیا انسانیت مل کر بھی قرآن مجید کے اس چیلنج کا جواب نہ دے سکی۔ کہنے والے یہ تو کہتے رہے اور آج بھی کہہ دیتے ہیں کہ قرآن پیغمبر اسلام کی تصنیف ہے مگر آخر جب ایک انسان ایک سوچودہ سورے تصنیف کر سکتا ہے تو یہ سارے انسان مل کر ویسا ہی ایک اور سورہ..... نہیں بنا ڈالتے یہ شانِ اعجاز خود اس بات کی گواہ ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ خالقِ انسان

کا کلام ہے۔

قصد آن مجید کے کسی ایک سورہ کا جواب تو کوئی بھی نہ دے سکا۔ ہاں اعتراضات کے لئے ہر ایک تیار ہو گیا۔ تننا ہے کہ تمہید کے طور پر قرآن مجید پر ہونے والے ایک بہت عام اعتراض پر روشنی ڈالتا چلوں۔

اعتراض کرنے والے اعتراض کرتے ہیں کہ صاحب یہ کیا قرآن مجید میں حکم مذکور ہے کہ بہت ہے ایک ہی واقعہ متعدد بار کیوں بیان کیا

گیا ہے جس ایک مرتبہ پر اکتفا کی جاتی۔ یہ بہت عام اعتراض ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا تھا کہ اگر تمام نوع انسان ملی کر بھی کوشش کرے تو سرے ایک محڑے کا جواب نہیں پیش کر سکتی اور ہوا بھی یہی کہ قرآن مجید کے کسی ایک کلمے کا جواب آج تک نہیں پیش کیا جا سکا اور جب سب تھک گئے تو قرآن مجید نے ایک ہی واقعے کو اسلوب و انداز بدل بدل کر متعدد بار پیش کر دیا کہ تم عاجز ہو مگر ہم خود اپنے شاہ کا رسول کا جواب پیش کرنے سے عاجز نہیں۔

یہ تو تھا اجمالی جواب اب ذرا تفصیل سے بھی عرض کر دوں۔ آئیے فدا بخیر یہ کہ قرآن مجید نے کن انبیاء کے واقعات کو بہ کثرت بیان کیا ہے مگر اس تجربے سے پہلے علماء نفسیات کے اس نظریے کو پیش کر دوں کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ کوئی قوم یا گروہ آپ کی بات کو توبہ سے سنے تو پہلے اس قوم کے میر و کا ذکر ہجیر دیکھے فطرتی طور پر اس قوم کی توجہ آپ کی طرف ہو جائے گی اور پھر اس پیٹ میں اپنے مطلب کی بات بھی کہہ جائیے معلوم ہوا کہ کسی قوم کو اپنے پیغام سے متاثر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کلام کی ابتدا اس قوم کے میر و اور رہنما سے کی جائے۔

اب آئیے دیکھیں کہ قرآن مجید نے کن کن انبیاء کا ذکر بہ کثرت کیا ہے حضرت
 یسےؑ حضرت موسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت آدمؑ پر چار پیغمبر ہیں جن کا ذکر قرآن
 میں بہ کثرت ملتا ہے۔ قرآن مجید کے مخاطب اول عرب تھے مگر سرمایہ ہدایت ساری
 دنیا کے انسانوں کے لئے تھا۔ نزول قرآن کے وقت عرب میں اکثریت یہودیوں اور
 عیسائیوں کی تھی اس کے علاوہ لاندہب اور کچھ دوسری اقلیتیں بھی پائی جاتی تھیں۔
 شاید اسی لئے قرآن مجید نے نفسیات بشری کا لحاظ رکھا۔ یہودیوں کو متاثر کرنے کے لئے
 بار بار حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ کیا، عیسائیوں کو متاثر کرنے کے لئے بار بار حضرت عیسیٰؑ کا
 ذکر کیا اور چونکہ عرب پر خشیت عرب خواہ لاندہب ہی کیوں نہ ہوں حضرت ابراہیمؑ
 کو اپنا قومی میر و سمجھتے تھے اس بناء پر بار بار حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ کیا گیا قرآن مجید
 اگر عربوں ہی کے لئے آیا ہوتا تو شاید انہی تین تذکروں کی تکرار پر اکتفا کی جاتی مگر قرآن
 تو سرمایہ ہدایت ہر آدمی کے لئے لہذا بار بار حضرت آدمؑ کا ذکر کیا گیا تاکہ دنیا کا
 ہر انسان پیغام حق کا اثر قبول کرنے پر تیار ہو جائے۔

بہر حال اعجاز نما کتاب کریم میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے ہمارے رسولؐ
 آپ اپنی تبلیغی کادشوں کی اجرت اپنی امت سے طلب کر لیجئے اور وہ اجرت صرف
 یہ ہے کہ مسلمان آپ کی آل سے محبت کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اجر رسالت اگر کچھ
 ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ رسولؐ کی آل سے محبت کی جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ارکان اسلامی بہت ہیں جن کو قرآن مجید بیان
 کیا گیا ہے ان میں سے بعض کا تعلق اصول دین سے ہے اور بعض کا فروغ دیں۔ مؤ
 مجھے کوئی ایک بھی حکم اسلامی ایسا نظر نہیں آتا جس کے بیان کرنے میں قدرت نے

وہ انداز اختیار کیا ہو جو محبت اہلیت کے سلسلے میں اختیار کیا گیا۔ الوہیت و رسالت کا تذکرہ ہوا تو ارشاد ہوا۔ آمینو باللہ۔

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ نماز کا تذکرہ ہوا تو ارشاد ہوا کہ اقیہوا الصلوٰۃ ہمارا حکم ہے نماز پڑھو۔ روزے کی منزل آئی تو ارشاد ہوا کہ کتب علیکم الصیام تمہارے لئے روزے واجب کر دیئے گئے روزے رکھو۔ زکوٰۃ کی باری آئی تو ارشاد ہوا اتوا التوکلۃ ہمارا حکم ہے زکوٰۃ دو۔ حج کے لئے حکم دینا ہوا تو فرمایا واللہ علی الناس حج البیت ہم نے اپنے گھر کا حج واجب کر دیا مسلمانوں میں صاحب استطاعت کو حج کرنا پڑے گا۔ جہاد کو واجب کیا تو فرمایا کہ جاهدوا فی سبیل اللہ ہمارا امر ہے خدا کی راہ میں جہاد کرو و غرض یہ کہ کسی بھی امر کو لے لیجئے تو دروازہ یہی نظر آئے گا کہ ہم نے یہ چیز لازم کر دی تمہیں اسے ہی لانا ہو گا۔ مگر جب محبت اہلیت کی منزل آتی ہے تو یہ ارشاد نہیں ہوتا کہ محبت ہم نے لازم کر دی تمہیں محبت کرنا پڑے گی بلکہ گویا اب مسلمانوں کے دروازے پر رسول کو سائل بنا کر بھیجا جاتا ہے کہ میرے حبیب جانیے اور ان مسلمانوں سے جو آپ کے نام پر اپنی بلکہ اپنی اولاد کی جان نثار کر دینے کا دعویٰ کرتے ہیں صرف محبت کا سوال کریجئے۔ فرمادیجئے کہ تمہارے مال کی تمنا نہیں، دولت کی آرزو نہیں، اولاد کی قربانیاں نہیں چاہتا میں آیا ہوں اور تمہارے دروازے پر یہ سوال لے کر کہ اگر تمہارے نزدیک میری خیر مقدم کی کچھ بھی امت ہے تو میری اولاد سے محبت کا برتاؤ کرتے رہنا۔ اب دیکھنا ہے کہ فیرت والا مسلمان رسول کے اس سوال محبت کا جواب کیونکر دیتے ہیں؟

تو آخر یہ انداز کلام کیوں بدلا یہاں کیوں نہ کہا گیا کہ ہم نے محبت اہلبیتؑ لازم کر دی۔ تم کو مسلمان بننے کے لئے آل رسولؐ سے محبت کرنا پڑے گی۔ بات یہ ہے کہ ایک انسان سے نماز زبردستی پڑھوائی جاسکتی ہے، روزے بہ جبر رکھوائے جاسکتے ہیں۔ زکوٰۃ و خمس کی رقم بہ جبر وصول کی جاسکتی ہے۔ میدان جنگ میں مسلمانوں کو زبردستی بھیجا جاسکتا ہے ہر اقرار بہ جبر ہو سکتا ہے اور ہر عمل زبردستی کرایا جاسکتا ہے مگر محبت گردن کے جھکے کا نام نہیں دل کے جھکنے کا نام ہے۔ گردن زبردستی جھکائی جاسکتی ہے دل کو زبردستی نہیں جھکایا جاسکتا۔ لہذا جب محبت اہلبیتؑ کی منزل آئی تو یہ نہیں کہا گیا کہ ہم نے محبت واجب کی بلکہ رسولؐ سے ارشاد کر دیا گیا کہ آپ محبت اہلبیتؑ کو اجبر رسالت بنا کر مسلمانوں سے مانگ لیجئے۔

بہر حال آیہ مودت نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ محبت آل رسولؐ اجبر رسالت کی حیثیت رکھتی ہے لہذا تعلقات پر عمل کرنے کا حق صرف اسی کو ہے جو اجبر رسالت ادا کر دے اور دامن اہلبیتؑ سے وابستہ ہو جائے۔

اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ آخر آل رسولؐ کی محبت فریضہ قرار کیوں ٹائی جزو ایمان کیوں بنائی گئی تو اس کا سلسلے کا جواب یہ ہے کہ محبت اہلبیتؑ اس لئے واجب نہیں کی گئی کہ رسالتماں اپنے رشتہ داروں کی محبت کو محض رشتے کی بنا پر لازم قرار دے رہے تھے بلکہ درحقیقت یہ امت کی محبت تھی جو آل رسولؐ کی محبت امت پر واجب قرار دے دیا۔ اور یہ اس بنا پر کہ انسان اسی کے لباس چال و عمل وضع قطع رفتار و گفتار کی نقل کی کوشش کرتا ہے جو اس کا محبوب ہو۔ اگر کسی فرد کو کوئی فرد محبوب ہوتی ہے تو اس کے پسندیدہ افعال اختیار کرنے کی کوشش

کہتا ہے اور اگر کسی قوم کو کوئی گروہ محبوب ہوتا ہے تو زندگی کے ہر شعبے میں اس گروہ ہی کے کردار سے متاثر ہوتا ہے۔ مگر دارا اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے رسالتاً اب اس نفسیاتی اصول سے بخوبی واقف تھے لہذا آپ نے چاہا کہ اپنے بعد اپنے ہی ایسے معصوم افراد کو امت کا محبوب بناتا جاؤں تاکہ مسلمان آل رسول ہی کے نقش قدم پر چل کر دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکیں۔

قرآن کریم کی آیات نے محبت اہلبیت کی منزل بتائی۔ رسول نے اپنی آل کے مرتبے سے دنیا کو ردشاس کر لیا۔ حدیثیں سن کر بھی اور اپنے عمل سے بھی۔ پھر کردار اہلبیت میں کشش تھی مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی اس سازش پر عمل شروع ہو گیا کہ آل رسول کے دروازوں سے دنیا کو منحرف کر دیا جائے۔ تیرہ سو برس ہو چکے آج تک اسی سازش پر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ کبھی آل رسول کی مقبلیت میں حدیثیں بیان کرنے والوں کو سولہ دی گئی، کبھی نہ بانیں کاٹی گئیں، کبھی جیوں میں مٹوٹا گیا۔ کبھی وطن سے بی وطن بنایا گیا۔ پھر یوں بھی اس سازش پر عمل ہوا کہ غیروں کے فضائل میں جھوٹی حدیثیں گڑھنے کے کارخانے بنائے گئے جہاں سے بے شمار غلط اور مومنون حدیثیں مٹل دھل کر مسلمانوں کے سامنے آتی رہیں۔ یہ حقائق ایسے نہیں ہیں کہ جن کو کوئی مانے اور کوئی نہ مانے۔ ہر انصاف پسند انسان خواہ اس کا تعلق کسی مسلک سے ہو اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے مگر یہ بھی قدرت کا اعجاز ہے کہ فضائل اہلبیت میں بھی کبھی حدیثیں بھی حقیقت کے چہرے سے نقاب ہٹا دینے کے لئے کافی ہیں جبکہ دیکھا کام یوں بھی نہیں ملتا تو اب ایک اور سازش کی گئی یہ حملہ گو اب عقب سے ہوا۔ براہِ راست

نہ تھا یعنی اب یہ کہا جانے لگا کہ رسولؐ کی دو حیثیتیں تھیں ایک نبی کی دوسرے بشر کی۔ پیغمبر کی کچھ باتیں بحیثیت نبی ہوتی تھیں اور کچھ بحیثیت انسان پر ظاہر اس بات کا تعلق فضائلِ اہلبیت مثلنے کی سازش سے کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا مگر درحقیقت اس کا بھی تعلق اسی قدیم سازش سے ہے۔ آئیے اس سازش پر سے نقاب الٹ دی جائے۔ ذرا غور تو فرمائیے جب رسولؐ کی زندگی کے دو شعبے ہو گئے ایک نبی اور ایک بشر تو وہ تمام اقوال و افعال جن کا تعلق غیروں سے ہو گا بحیثیت نبی قرار پائیں گے تو جن کا تعلق رسولؐ سے ہو گا تو چونکہ آلِ رسولؐ، رسولؐ کے قریبدار ہیں اس لئے یہ سب اقوال و افعال بحیثیت بشر اور انسان قرار پائیں گے آپؐ نے دیکھا کہ بات گھوم پھر کر کہاں سے کہاں جا پہنچی۔

میں جانتا ہوں کہ عقل و قرآن دونوں کی رو سے یہ خیال غلط ہے مگر میں تو اس وقت اس نظریے کو محضوری دیر کے لئے درست مانے لیتا ہوں مگر یاد رکھیے کہ اگر اس نظریے کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے جب بھی فضائلِ اہلبیت گھٹیں گے نہیں بلکہ کچھ اور نمایاں ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اگر است و آلے ہر شیار ہیں تو خدا کا رسولؐ بھی فہیم و حکیم تھا اس نے پہلے ہی سے انداز ایسا اختیار کیا تھا کہ سازش کا یہ انداز بھی فضائلِ اہلبیت کو مشابہ سکے۔

اس تنگ وقت میں یہ تو ممکن نہیں کہ فضیلتِ اہلبیت کی تمام احادیث پر روشنی ڈالی جائے البتہ سرف چند مشہور چیزوں پر اتنا کی جاتی ہے مگر ان چند ہی باتوں سے آپؐ کو وہ رابطہ ضرور مل جائے گا جو انشاء اللہ اس سازش کو ناکام بنا دینے کے لئے کافی ہو گا۔

اے سب سے پہلے حضرت علی کی فضیلت میں ایک حدیث کو لیجئے مرسا لہا
 کا ارشاد ہے کہ یا علی حوبك حربی سلمك سلمی داسے علی تیری جنگ
 میری جنگ اور تیری صلح میری صلح ہے کہہ دیجئے کہ یہ حدیث رسول نے حیثیت
 انسان فرمائی ہے بہ حیثیت رسول بنیں مگر یاد رکھیں کہ اگر آپ نے اس حدیث کو نبوی
 مرتبہ نہ دیا اور بشری حیثیت دے دی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ رسول کی ہر
 جنگ بھی بہ حیثیت بشر قرار پائے گی اور ہر صلح بھی بہ حیثیت انسان قرار پائے
 گی نہ مشیت کے اشاروں پر جنگ ہوگی نہ قدرت کے اشاروں پر صلح۔ ظاہر
 ہے کہ اسے کوئی مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا تو جب تک ہر مسلمان رسولؐ کی جنگ
 صلح کو نبوی حیثیت دینے پر مجبور ہے اس وقت تک وہ اس حدیث کو بھی نبوی
 حیثیت دینے پر مجبور ہے۔

فضیلت علی میں ایک دوسری مشہور حدیث کو لے لیجئے ارشاد فرماتے ہیں
 کہ یا علی حبك ایمان و بغضك كفر و نفاق دے علی تیری محبت میں
 ایمان اور تیری عداوت میں کفر و نفاق، اسلام و ایمان، کفر و نفاق کی تفصیل
 اور اس کے علامات بتانا اگر انسانی منصب تھا تو یہ حدیث بھی بہ حیثیت بشر تھی
 اور اگر منصب نبوت کے فرائض میں تھا تو یہ حدیث بھی حیثیت نبی ارشاد فرمائی تھی
 بہ حیثیت بشر ارشاد نہیں فرمائی تھی۔

بہر حال پیغمبرؐ کی اس حدیث نے بتا دیا کہ علی ابن ابیطالب کی عداوت میں کفر و
 نفاق ہے۔ ذرا چند محلوں میں اس پر بھی غور کر لیا جائے کہ عداوت علیؑ کفر و نفاق
 کیوں قرار پائی۔

اسلام ہی میں ایک گدہ وہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اگر پیغمبر کی خواہش یہی تھی کہ ان کے جانشین علیؑ ابن ابیطالب ہی ہوں مگر مصلحت وقت کا تقاضا یہی تھا کہ علیؑ تخت حکومت پر آنے نہ پائیں اور وہ مصلحت یہ تھی کہ اسلام کی ہر جنگ میں علیؑ پیش پیش تھے۔ عربی قبائل کے سردار اور جاہلیت کے ہیرو، علیؑ ابن ابیطالب ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔ لہذا عرب اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے مگر جب علیؑ ابن ابی طالب کا چہرہ دیکھتے تھے تو جذبات غیظ و غضب برانگیختہ ہو جاتے تھے گویا عرب اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے مگر دل علیؑ کی طرف سے صاف نہ تھے۔ اور ظاہر ہے کہ حکومت دوستوں اور قدر دانوں پر کی جاسکتی ہے دشمنوں اور دل میں عداوت رکھنے والے پر نہیں حال ایسے اہل ایمان سے بنا گیا ہے کہ سیدھے سادھے مسلمان اس حال میں آسانی سے چنسن سکتے ہیں مگر ذرا غور کیجئے تو یہ حال ابھی ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔

یہ بات تو ظاہر سچ معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کی حلقہ گوشتی انسان کو فطرت کے راستے سے نہیں ہٹا سکتی لہذا علیؑ کو دیکھ کر عربوں کا سچ و تاب کھانا بالکل برحق تھا مگر یاد رکھیے کہ جس طرح عزیزوں کے قاتل کو دیکھ کر انسان کا سچ و تاب کھانا فطری بات ہے تو اب یہ فرمائیے کہ علیؑ میدان قتال میں اپنی مرضی سے آتے تھے کہ پیغمبرؐ بھیجتے تھے اور پیغمبرؐ اپنی خواہش سے بھیجتے تھے یا اشارۃ قدرت پاکر بھیجتے تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کی مداوت ذاتی علیؑ میں محدود نہیں رہ سکتی بلکہ اس کا سلسلہ بڑھ کر پیغمبرؐ کی ذات تک پہنچے گا اور پھر بڑھ کر ذات قدرت تک پہنچ جائیگا۔ یعنی جو دشمن علیؑ ہو گا وہ مجبور ہے دشمن بنی و دشمن خدا ہونے کے لئے اور ظاہر

ہے کہ دشمن خدا یا کافر ہو گا یا منافق۔ اب غور فرمائیے کہ پیغمبر ذات علیؑ کو میا کفر و ایمان قرار دے کر کس راز پر سے پردہ ہٹا رہے تھے۔
میں عرض کر چکا کہ اتنا موقع و محل نہیں ہے کہ ہر حدیث پر روشنی ڈالی جائے اس لئے بس اب صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں یہ حدیث حضرت امام حسینؑ کے بارے میں ہے۔

رسالت مآبؐ مسجد میں خطبہ دے رہے ہیں۔ احکام الہی بیان ہو رہے ہیں کہ اس اثناء میں کس شہزادہ مسجد میں آتا ہے قبلہ کے دامن میں پیر الہیاء حسینؑ زمین پر گر پڑے رسالت مآبؐ نے اپنا خطبہ قطع کر دیا منبر سے اترے بچے کو گود میں اٹھایا لائے ہوئے منبر پر آئے اپنی آغوش میں بٹھایا۔ اب زبان کو حرکت ہوتی ہے تو سلسلہ کلام بدل جاتا ہے اب آیات الہی کی تفسیر بیان نہیں ہوتی بلکہ ارشاد ہوتا ہے **هَذَا حُسَيْنٌ فاعرفوه** (مسلمانو! یہ میرا حسینؑ ہے اچھی طرح

سچ جان لو)

کہنے والے کہہ تو سکتے ہیں کہ حسینؑ کا یہ تعارف بشری حیثیت سے تھا نبی کی حیثیت سے نہ تھا مگر میں ذات پیغمبر کو بشری اور نبوی حیثیتوں میں تقسیم کرنے والوں صرف اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں نبیؐ، نبیؑ کب ہوتا ہے اور بشر کب؟ اس کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ گھر میں ہو تو بشر ہے اور مسجد میں ہو۔ بالائے منبر ہو، آیات الہی کا بیان ہو رہا ہو تو یقیناً نبیؐ ہے، رسولؐ ہے اب اگر حسینؑ کا تعارف گھر کی چار دیواری میں ہو رہا ہو تو کون کونسی بحث نکل سکتی ہے کہ چرچیت بشر تعارف تھا یا حیثیت رسولؐ! لیکن اگر حسینؑ کے تعارف کیلئے رسالت مآبؐ مسجد منتخب کریں منبر پر خطبہ منقطع کر کے حسینؑ کا تعارف ہو تو سچ لہجے کہ حسینؑ کا تعارف

فرائض نبوت تھا چسے رسول ادا فرما رہے تھے۔

قرآن مجید کی آیتوں نے اُتر اُتر کر آل رسول کے مرتبے کو بتایا۔ ارشادات پیغمبری نے ان کی جلالت قدر کی طرف اشارے کئے مگر دنیا نے آل رسول کی قدر نہ کی۔ رسالت آیت کی زندگی میں تو کسی کی مجال نہ ہوئی کہ آل رسول کی ہجرتی کو سکے البتہ رسالت آیت کی آنکھ بند ہوتے ہی اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ کبھی علی کے گلے میں رسی باندھی گئی، کبھی فاطمہ زہرا کا پہلو مجروح کیا گیا، کبھی امام حسن کے جگر کے بہتر ٹکڑے ہونے اور کبھی میدان کربلا میں امام حسین کو ان مصائب کا نشانہ بنایا گیا جس کا ہم آج تک ماتم کر رہے ہیں۔

دنیا میں کون سا ایسا ولی خدا گذرا ہے کہ جو امتحان کی منزلوں سے گزرا نہ ہو مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن منزلوں سے امام حسین گزر گئے اور جو انداز قربانی مظلوم کربلا نے اختیار کیا اس کی نظیر تاریخ مذاہب عالم میں نہیں مل سکتی۔

امام حسین کی قربانی کی وہ خصوصیتیں ایسی ہیں جو کہیں اور نظر نہیں آتیں پہلے یہ کہ کسی نے ایک دن میں بہتر قربانیاں نہیں پیش کیں اور دوسرے یہ کہ ہر قربانی پیش کرنے والے کا دفتر قربانی اس کی شہادت کے ساتھ ہی بند ہو گیا مگر یہ صرف امام حسین ہی کی ذات تھی کہ خود شہید ہو گئے مگر قربانیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ امام حسین کی قربانیاں محض وہی نہ تھیں جو میدان کربلا میں پیش کی جا رہی تھیں بلکہ یہ بھی اسی یکس و ظلم کی قربانیاں تھیں جو جناب زینب کے وسیلے سے بانا رکوف و شام میں پیش کی جا رہی تھیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام قربانیاں خود اس لئے پیش کی جا رہی تھیں کہ ہر شے قربان ہو جائے مگر دین اسلام بچ جائے اور واقعہ بھی یہ تھا کہ اگر میدان کربلا میں امام حسین ان قربانیوں

کو اسلام کی حفاظت کے لئے پیش نہ فرماتے تو اسلام بچ نہ سکتا تھا۔ اسلام کی سانس اکھڑ چکی تھی ہاتھ پر موت کا پسینہ آچکا تھا بنصین ڈوب چکی تھیں دنیا کو اسلام کی موت کا یقین ہو چکا تھا کہ اسی شاندار میں حق کا نذرانی رسول کا فرزند علی کا بانی تھیں سید الشہداءؑ آگے بڑھا اور اسلام کے تن مرده میں دوبارہ جان ڈال دی۔

ہمارا روز کا شاہد ہے کہ جب ایک مجروح انسان کی کمزوری و ناتوانی مددوں سے گزر جاتی ہے لوگ مایوس ہونے لگتے ہیں تو ڈاکٹر اگر تیار داروں سے کہتا ہے کہ اب مریض کی جان مرقعہ اسی صورت سے بچ سکتی ہے جب کہ اس کے جسم میں کوئی شخص خون منتقل کئے مریض کا کوئی عزیز آگے بڑھتا ہے اپنا خون پیش کر دیتا ہے وہ خون اس زخمی انسان کے جسم میں منتقل کر دیا جاتا ہے اور وہ آنکھیں کھول دیتا ہے میدانِ کربلا میں امام حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ اسلام اتنا زخمی ہو چکا ہے کہ اب بغیر خون دیے ہوئے بچنا مشکل ہے لہذا حسینؑ آگے بڑھے اور اپنا خون اسلام کی رگوں میں دوڑا کہ اسلام کی زندگی کے ضامن بن گئے مگر یاد رکھیے جب زخمی کے لئے خون کی ضرورت ہوتی ہے تو ڈاکٹر ہر خون قبول نہیں کر لیتا بلکہ اور چیزوں کے ساتھ یہ بھی دیکھتا ہے کہ خون دینے والے کے خون میں کبھی مریض کے جراثیم تو موجود نہیں اور اگر جراثیم موجود پائے تو اس خون کے قبول کرنے سے انکار کر دیتا بس اسی لئے میدانِ کربلا میں بھی حسینؑ اپنے ساتھ ایسے ہی لوگوں کو لائے تھے کہ جن کے دلوں میں کسی طرف سے بھی کھوٹ نہ ہو جو اگر یہ اصطلاحی اعتبار سے معصوم نہ ہوں مگر پھر بھی ایسے ہوں کہ امام زمانہؑ فرمائیں کہ باجی انتم و امی طبعہ و طابت الارواح التي فیہا فنہ دمرے ماں باپ شائقم پر انصار حسینؑ تم بھی طیب ظاہر ہو گئے اور وہ زمین بھی پاک و پاکیزہ ہو گئی جس میں دفن ہو گئے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجلس ہفتم

وفات خاتونِ جنت ^{علیہا السلام}

(از جناب مولانا کرار حسین صاحبِ قلم و اعظم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِہٖہٗ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی اٰہْلِہَا۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ
سُبْحٰنَہٗ تَعَالٰی مَا تَأْتِیْہُمْ مِنْ اٰیۃٍ مِّنْ اٰیۃٍ سِوَہٗہٗ اِلَّا
کَانُوْا عَنْہَا مُعْرِضِیْنَ۔ (پس پس ۷)

دو جہہ ہر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب ان کے پروردگار کی نشانیوں
میں سے کوئی نشانی ان کے پاس آئی تو یہ لوگ منہ موڑے بغیر نہیں رہے،

حضرات!

نشانی اگرچہ انسانی کارروائی رہبری کے لئے مخصوص ہیں لیکن مادت والے
بے شور مخلوقات تک نشانات پہناتے ہیں وہ جانور وحشی نہیں اہلی کہے جاتے
ہیں جن کو ”گھر“ اور ”گھاٹ“ کی تمیز ہوتی ہے۔ زمین و آسمان اور جو کچھ بھی ان کی گود میں
ہے۔ سب ہی نشانی ہیں انسان خود آیت ہے بلکہ نشانات کی دنیا ہے اسی لئے
مولائے کائنات جناب امیر نے فرمایا ہے اَتَرَعَمَّ اَنَّكَ حِزْمٌ مِّنْ غَیْرِہٖہٗ
اَلطَّوٰی الْعَالَمُ الْاَوْکَبُ۔

اے انسان تو سمجھتا ہے کہ ایک معمولی جوڑ توڑ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔
بلکہ تیرے انداز دنیا ساتی ہے،

علامت شناسی عقلمندی ہے اور ناشناسی ہوش و غور سے پرکھائی ہے۔ نشانیاں
ہر طرح کی ہوتی ہیں۔ شکل و صورت کی نشانی، نام کی نشانی، جھوٹی نشانی، بڑی
نشانی، خوف کی نشانی، امید کی نشانی، خوشی و غم کی نشانی، حزن و الم کی نشانی،
بزدلی کی نشانی، شہادت کی نشانی، اسلام و ایمان کی نشانی، کفر و نفاق کی
نشانی۔ غرض ہر شے نشان سے پہچانی جاتی ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ ہر چیز اپنی
مند سے سمجھی جاتی ہے یہ اسی لئے کہ نشانات جدا ہوتے ہیں فرق بتاتا ہے کہ اتحاد
نہیں اختلاف ہے۔ نشان باقی بھی رہتا ہے۔ نشان مٹتا بھی ہے وہ نشان کبھی
نہیں مٹتا جو کچھ حقیقت رکھتا ہے وہ نشان ٹیامیٹ ہو جاتا ہے جو محاذ کے پانی پر
قائم کیا جائے اسی لیے حق کے لئے بقا ہے اور باطل کے لئے فنا۔ نبی اکرم حق پرست
کلمہ آج تک باقی ہے۔ ابو جہل باطل تھا مٹ گیا۔ (صلوٰۃ)

آیات کا قیام اتنا سوری ہے کہ انسانوں کے وجود سے پہلے وہ موجود کی
جاتی ہیں جناب آدمؑ ہیں مگر آدمی نہیں راہبر ہے مگر راہرو نہیں ہادی ہے۔ مگر
ہدایت پانے والے نہیں ایسا صرف اس لئے کیا تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ
ہمارا تصور نہیں کوئی راہ بتانے والا نہ تھا ہم مجبور تھے کوئی ہدایت کرنے والا نہ
تھا۔ جناب آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ بلکہ سرور کائنات تک ہدایت کے اس
سلسلہ الذہب میں کہیں کوئی کڑی ٹوٹی نہیں۔ تاریخ انبیاء گواہ ہے کہ دنیا
چھوڑنے سے پہلے ہی انبیاء کرام اپنا جانشین معین فرما دیتے تھے کہ میں تجھے

لَسْتَ لِلَّهِ تَبْدِيلًا (تم خدا کی عادت میں ہرگز تغیر و تبدل نہ پائو گے) کے
محکمہ قانون کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بھی دنیا نہیں چھوڑی
جب تک مَنْ كُنْتُ مَوْلا فَهَذَا اَعْلٰی مَوْلا کا روح پرور مرثوہ سنا
نہ دیا۔

نبیؐ سے خطاب کر کے اگلوں کے حالات بیان کرنا یقیناً عہد نبیؐ اور آئندہ
آنے والوں کے لئے کوئی سبق، عبرت اور درس ہے ورنہ محض نقل واقعہ اور بیان
حکایت ہو کر رہ جائے گا جو تشریح قرآن کا مقصد نہیں — ذکر کفار کا ہے
لیکن اس طرح جس سے ان کی عادت و خصلت کا پتہ چل جائے۔ آپؐ کو معلوم
ہے کہ جو بات خصائص اور اوصاف سے متعلق ہوتی ہے اگرچہ باعتبار خطاب مخصوص
ہو لیکن عمومیت رکھتی ہے آیات سے روگہ دانی کفار کی ایسی عادت ہے۔
جو کفر کے خصائص اور مخصوص اوصاف میں ہے اب اگر اس کا مظاہرہ کسی
اور سے بھی ہو تو وہ آیت بن جائے گا خصائل کفر اور عادات شرک کا نہیں
تو کم از کم اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ کفر کے کہنے عادات ابھی چھوٹے نہیں۔
یہ تو مثل کے طور پر مشہور ہے کہ بڑی عادتیں مشکل سے جاتی ہیں خصوصاً
جب کہ عادات کو مدت گزر گئی ہو اس بنا پر آیات خدا کی عزت و حرمت متلا
ہے عادات کہن سے بیزاری کی اور اگر ایسا نہ ہو تو سمجھ لیجئے گا کہ سابق کی
مشق کی جاتی ہے صرف موقع کا انتظار ہے۔

اعراض کے معنی بہن روگہ دانی اور منہ پھیر لینے کے لغوی بجائے سامنے دیکھنے
کے واسطے یا بائیں منہ موڑ لینا اسے کہتے ہیں عادات کی یلگی اور کنگلی کہ عبادت

میں بھی ترک نہ ہوئی ایسا ہونا بھی چاہئے تھا اس لئے کہ کعبہ بھی تو آیۃ اللہ ہے بلکہ مرکز آیات ہے لہذا اعراسن و دروگر دانی بھی مزدوری ہے۔ (صلوٰۃ)

ہم بھی منہ پھیر لیتے ہیں لیکن کہاں کب اور کس سے؟ جس سے خود نبی نے اعراسن فرمایا اور منہ پھیرا۔ اعراسن مذموم بھی ہے اور ممدوح بھی اگر اللہ اور اللہ

دالوں سے اعراسن ہو تو مذموم اور اگر اللہ کے لئے غیر اللہ سے اعراسن ہو تو ممدوح اور ایسا پسندیدہ کہ نبی کریم کو اعراسن کا حکم دیا جاتا ہے۔ جنگ تبوک سے رسول

پلٹ رہے ہیں اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے یہ دیکھ کر لڑائی بھی نہ ہوتی۔ مسیح سالم لوگ واپس چلے آئے اور ہم بیٹھ رہے۔ نبی کریم کے حکم کی بھی مخالفت

کے مرکب ہوئے تو بات بنائی جسے قرآن نے ان لغظوں میں ذکر کیا ہے۔ مَسِيحُ يَخْلُقُونَ يَا لِلّٰهِ لَكُمْ اِذَا تَقَالَّبْتُمْ اَلَيْسَ لِيَوْمٍ اَعْتَدْتُمْ

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اَتُحْمَدُ سِرِّجُ رَاۡبِ كَسَمَنِيْہِ لُوْگ قَسَمِيْہِ كَاۡہِيْہِ تَاكَاۡہِيْہِ اُنْ سَاۡمَنِيْہِ ہُو جَاۡہِيْہِ اُو ر د ر گ ز ر ك ر دِي كُجُۡہِيْہِ اُن كِي طَرَفُۡہِ

منہ پھیر لیجئے۔ بے شک یہ لوگ ناپاک ہیں۔ یہ ستمناہنہ ہیں جن سے حکم ہے نبی کو منہ پھیر لینے کا بس ہم اسی اعراسن کی پیروی کرتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھئے کہ ”جس“ ہمیشہ قابل امتزاسن ہے اور جب ایسا ہے تو طہارت ہمیشہ قابل التفات اور لائق توجہ ہے۔ قرآن کی روشنی میں

یہ بات طے ہو گئی کہ ہادی عالم جس سے منہ موڑ لیں وہ ”جس“ ہوگا تو جس کو اپنے دربار سے ”دفعان“ ہو جاوے میرے پاس سے کہہ کر نکال دیں اس کے جس ہونے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔ (صلوٰۃ)

آیت کا لہجہ بتاتا ہے کہ ہر زمانہ اور عصر میں کچھ اس انداز سے دنیا داروں نے آیات الہیہ سے اعراض کیا ہے اور انحراف کے مرتکب ہوئے کہ قرآن نے ان کی اس عادت کو ایک کلیہ کی حیثیت دیدی وہ کلیہ ہے کافوا عنہا معرضین اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر دور میں آیات الہی سے روگردانی کی گئی چاہے وہ اللہ کی پہلی آیت ہو جہاں سرخیل شیاطین جن ابلیس نے انکا کیا یادہ آخری آیت ہو جہاں سرگرد وہ شیاطین انس نے روگردانی کی۔

قد آن کریم نے آیتہ اللہ کی پہچان بتائی ہے۔ اہل دنیا کا اس سے منہ موڑ لینا اب اگر کسی سے منہ نہ موڑیں اعراض و انحراف نہ کریں اور دنیا کے سب ہی اچھے بُرے لوگ اس سے محبت کریں تو اس کے آیتہ اللہ ہونے میں شبہ ہو گا۔ دُنیا کا ہرزہ اس اعتبار سے آیتہ اللہ ہے کہ وہ صانع عالم کے وجود کی علامت اور نشانی ہے اسی لئے دُنیا داروں نے اس سے الکار کیا اور اس کا جواب دینا چاہا اور یہ عجیب اعجاز ہے قرآن کے بیان کا کہ کافوا عنہا معرضین ہر جگہ نمایاں رہا۔ مصنوعات و ایجادات عالم کا جائزہ لیجئے تو چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی کوئی چیز ایسی نہیں ملے گی جس سے اعراض نہ ہوا ہو اور یہی نہیں بلکہ اس کے بجائے دوسرا بنایا گیا۔

قدرتی چھوٹوں کے مقابلے میں مصنوعی چھوٹ بنائیے، کلیاں بنائیے، درخت بنائیے، دریا اور سمندر بنائیے، آفتاب و مانتاب بنائیے۔ سیارو ثابت بنائیے، ہرن بنائیے، شیر بنائیے، گھوڑے اور ہاتھی بنائیے اور انسان نے انسان کو بنایا مگر انسان کی بنائی ہوئی چیزیں انسان کو بیکار محض ثابت ہوئیں

محمول بنائے خوشبو نہیں، کلیاں بنائیں شگفتگی نہیں درخت بنائے بار آور نہیں ہوئے، دریا بنایا تو موجیں نہ مار سکا، سمندر بنائے دو جزیرہ پیدا ہو سکا آفتاب بنایا مگر روشن نہیں، ماہتاب بنایا مگر صوفہ نہ دے سکا، ستارے بنائے چمک نہ پیدا ہوئی، ہرن بنائے چو کڑی نہ بھر سکے، شیر بنائے دھار نہ سکے گھوڑے بنائے سرعت رفتاری نہ دے سکے، ہاتھی بنائے مسانہ روی نہ سکھا سکے، خدا انسان بنایا، آنکھیں بنائیں مگر بے نور، کان بنائے مگر بھرے، ہاتھ بے حس زبان کا نا طحہ بند، ناک بنائی زندگی ضیق میں پڑ گئی، پاؤں چل نہ سکے دماغ سوچ نہ سکا اور دل حرکت نہ کر سکا۔ مگر خدا کی بنائی ہوئی ہر چیز آیت و ماخ سورج نہ سکا اور دل حرکت نہ کر سکا۔

اور اگر کہیں چھوٹی آیتیں بھی خرق عادات کے عنوان سے سامنے آئیں تو ان کی غلطی اس آسمان کی رفعتوں سے بھی بلند تر ہو گئیں، ہوا روز چلتی ہے، پانی آئے دن برتتا ہے اور سورج کے لئے طلوع غروب لگا ہی ہے یہ چیزیں آیتہ اللہ ہیں مگر یہی ہوا جب آندھی کی شکل اختیار کر لے، برتا ہوا پانی جب طوفان کا منظر پیش کرنے لگے یا آفتاب و ماہتاب کو جب گہن لگ جائے تو نماز آیات واجب۔

معلوم ہوا کہ آیات الہی غیر معمولی صفات و اثرات کی حامل ہوا کرتی ہیں۔ طائر کا ہوا میں پرواز کرنا ایک عام بات ہے لیکن غانہ کعبہ کو سمار کرنے کے ارادے سے آنے والے ابراہیم کے لشکر پر منڈلانا اللہ کی نشانی ہے۔ کعبہ میں آمد و رفت ایک عام بات ہے مگر اس انداز سے آنا کہ دیوار و دروازے خدا کی نشانی ہے۔

بڑے ہو کر سانپ کو مار ڈالنا عام بات ہے مگر گھوارہ طفلی میں اُتر دے کو دو ٹکڑے کر دینا خدا کی نشانی ہے۔

میدان جنگ میں دشمن پر حملہ کرنا عام بات ہے لیکن بازو کی ابھری ہوئی پھیلیوں کی توانائی دیکھ کر ذوالفقار کا دست زبردست حیدر کرار میں آنا اور جبریل کا لافٹی الاسلی لاسیف الاذن الفقار کہنا یقیناً آیت اللہ ہے۔

دن بھر کام کرنا راتوں کو آرام سے سو رہنا عام بات ہے لیکن چوبیس اپنی ہوئی خون کی پیاسی تلواروں کے سایہ میں رضا، باری کا مالک بن جانا اللہ کی نشانی ہے۔

گفتگو سے رشوتیں کاٹے کرنا عام بات ہے مگر سیدہ زہرا کا رشتہ زمہرہ سارہ اتر کر بتائے یہ آیت اللہ ہے (صلوٰۃ)

الہی آیتوں کا مقابلہ کرنا سفاہت اور نادانی ہے۔ ہمیں دنیا کی ترقیوں سے انکار نہیں مگر ان ترقیوں سے مرعوب ہو کر یار واداری کے غلط مفہوم میں اکثریت کا ہمنوا ہو کر آیات الہیہ کی عظمت و حرمت سے چشم پوشی کرنا بھی اپنا شیوہ نہیں۔

ہمیں اس کا اقرار ہے کہ اپنی ترقیوں کی بدولت ترقی یافتہ دنیا غارِ پروف کی ایجاد سے اپنے کو آگ سے محفوظ رکھ سکتی ہے مگر خلیلؑ کے جسم کا جواب کہاں ملے گا جس نے نارغزدی کے بھڑکتے شعلوں کو گلزار بنادیا تھا ہمیں اس کا بھی اقرار ہے کہ واٹر پروف کی ایجاد سے مسجدِ دارِ انسان اپنے کو عرق ہونے سے بچا سکتا ہے

مگر عصائے موسوی کے اثرات کہاں سے آجائیں گے جو دنیاؤں میں راستہ پیدا کر دیں۔ ہمیں اس کا بھی اقرار ہے کہ دنیا نے عقل کی مدد اور مادہ کے بہانہ فضا کو مسخر کر لیا اور ہوائی جہاز اڑا دیا مگر بساطِ سلیمان کا سا انداز کہاں پیدا ہو سکتا ہے ہم اس کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ ترقی یافتہ انسان بیک وقت کئی مقامات پر نظر آ سکتا ہے لیکن دنیا علیٰ حدیث کمال کہاں سے لائے گی جو بغیر کسی مادی سہارے کے بیک وقت چالیس مقامات پر موجود رہے۔ ہمیں اس کا بھی اقرار ہے کہ اپنی ترقیوں کی بدولت دنیاؤں کے ذریعہ قوت یافتہ قومیں پنچائی ٹیکنیسیلیان کی قوت سماعت کا مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ تین منٹ کے غلط سے چوتھی کی آواز سلیمان سن رہے ہیں جو دوسری چوتھوں سے کہہ رہی ہے۔ اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جا رہیں سلیمان اور ان کا لشکر لاطینی میں ٹھیس کھل نہ دے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت سلیمانؑ اس گفتگو پر کیوں برہم ہوئے تھے؟ صرف ایک کلمہ کی بنا پر اور وہ لایحط تنک۔ سلیمان کہہ کیوں اس نے ایک مصوم و برحق نبی کی طرف روندنے، پامال کرنے اور پیس ڈالنے کی نسبت دی یہ تو کارِ خطا ہے، اس سے عصمت کو کیا واسطہ؟ خطا، غلط کار کرتے ہیں مصوم نہیں۔ (صلوٰۃ)

آج دنیا کے سامنے جب ہم ان حقائق کو پیش کرتے ہیں تو دنیا کہتی ہے یہ افسانہ پاریں ہے ہم نہیں مانتے اور قرآن آواز دیتا ہے کا انا احنا معدنیں یہ چیزیں آیاتِ الہی میں دنیا داروں کو انحرافِ اعراض ہی کرنا چاہیے۔ لیکن یاد رکھیے منکر کا اعراض و انحراف آیاتِ الہی کی عظمت و حرمت میں فرق نہیں پیدا کر سکتا۔

اللہ اپنی ایک آیت کو محفوظ رکھنے کے لئے گرد و پیش کے ماحول کو بھی آیت اللہ بنا دیتا ہے۔ میرے اس دعویٰ کی تصدیق خود قرآن مجید کرے گا حضرت عزیزؑ سو سال سوتے ہیں پوچھا گیا کہ بشت کتنا سوتے؟ جواب دیا کہ لَبِثْتُ يَوْمًا اس بَعْضِ يَوْمٍ (ایک روز یا اس سے بھی کچھ کم) حضرت عزیزؑ نے ایسا کیوں کہا؟ اس لئے کہ جب وہ سو کر اٹھے تو انھوں نے گرد و پیش کے ماحول کو عین ویسا ہی پایا سر مو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی نہ لباس بوسیدہ ہوا نہ ناخن اور بال بڑھے نہ کھانا خراب ہوا حد ہو گئی، گدھا بھی اسی انداز سے اپنی جگہ بیٹھا تھا جہاں حضرت عزیزؑ نے اس کو باندھا تھا یہ سب کچھ کیوں کیا گیا؟ اس لئے کہ حضرت عزیزؑ جیسے نبی کو آیت اللہ بنا کر زمین کے سامنے پیش کرنا تھا۔

از حد تعجب ہے کہ گدھا ایک نبی کے پہلو میں مکمل ایک صدی تک شرف صحبت سے بلا شرکت غیرے مستفیض ہوتا رہا مگر اس میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی۔ گدھا تھا اس لئے صحبت سے فیضیاب نہ ہوا اس لئے آواز دی جناب عالی، میرا ہی کیا قصور مدد تو کیہ میں بت خدائی کرتے رہے۔ کعبہ میں رہ کر بتائیے ان نبیوں کو کیا مل گیا؟ تو ان سے کہا جناب تو ہمارا ہی کیا قصور ہے ہم فیضیاب ہوتے بھی تو کیوں کہ ہم نے زبردستی غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا آپ ذرا فوج اور لوٹ کی بیویوں اور نوح کے فرزند سے پوچھتے کہ تم نے صحبت نبوت سے کیا پایا۔ فرزند نوح نے کہا تو ہمارا ہی کیا قصور ہے۔ ازیل سے پوچھئے عبادتوں ریاضتوں کے ساتھ ملک اور کردہ بین کی صحبت سے اس کو کیا ملا؟ لیجئے عقدہ حل ہو گیا، بات سمجھ میں آگئی کہ اچھی صحبتوں سے وہی فیضیاب ہو سکتا ہے جو لائق ہو۔ اگر ظرف میں گھنائش ہو تو چند برسوں کی صحبت نبوت خاک سے پاک

کر سکتی ہے اور غیر سے اپنا بنا سکتی ہے۔ سوچئے کہاں فارس اور کہاں مگر آنحضرتؐ نے بڑے پیار سے فرمایا کہ مہاجرین و انصار غور سے سن لو نہ سلمان گروہ مہاجرین میں سے ہیں اور نہ سلمان گروہ انصار میں سے سلمان منا اهل البيت۔
(سلمان تو ہم اہلبیت میں سے ہیں۔)

اور اگر ظرف میں صحبت نبوت کی سمائی نہیں تو دیکھ لیجئے سو سال عزیز جیسے نبی کے برابر پہلو بہ پہلو سو کر اٹھنے والا گدھا ہی رہا (صلوٰۃ)
اس واقعہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ دنیا دارو! اب قائم آلِ محمدؐ کی زندگی اور حیات پر شک و شبہ نہ کرنا۔ عزیز کون؟۔ پیشانی نور ختمی مرتبت پر آئے ہوئے پسینہ کا ایک قطرہ لیکن جب ان کو آیت بنایا گیا تو گرد و پیش کے ماحول کو بھی آیت بنا دیا گیا اس لئے اگر آنحضرتؐ کے گوشت و پوست اور ان کے جگر کے ٹکڑے جہانِ سنِ عسکری پر دہ غیبت میں زندہ ہوں تو شک و شبہ باعث کفر ہو گا اور مقامِ خضر اسے انکار کرنے والا کائناتِ اعظم اعرضین کا مصداق بن جائیگا۔

کہا جاسکتا ہے کہ جب قرآن نے اعلان کر دیا کہ آیاتِ الہی ہمیشہ احوال کی گواہی ہے تو کیا کسی نے قرآن مجید سے بھی منہ موڑا ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ساری دنیا اس کی مدح کرتی ہے خود مسلمان قرآن ہمارے لئے کافی ہے بلکہ اس کے سینے سے لگا ہے فرمیوں میں لگا کر گھروں کو زینت دی ہے۔ قرآن محض آیت ہی نہیں۔ بلکہ مجموعہ آیات ہے مگر یہ خیال غلط ہے کہ قرآن سے منہ نہیں موڑا گیا یہ صحیح ہے کہ قرآن فرمیوں میں لگایا جاتا ہے مگر یاد رکھنے کی یہ بات ہے کہ قرآن در دیوار کی زینت کے لئے نہیں بلکہ قلب و دماغ کی زینت کے لئے نازل کیا گیا تھا یہ

یہی صحیح ہے کہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے۔ مسلمانوں نے کہا ہے لیکن درحقیقت یہی کلمہ ہی قرآن سے انحراف و اعراض کی دلیل ہے۔ قرآن آیا تھا نبی کا تعارف کرانے عظمت نبوت کو اجاگر کرنے، اقوال نبوت کی تصدیق اور کربا نبوت کی تائید کرنے ر مگر حسینا کہہ کر مسلمانوں نے قرآن کو جھٹلایا قرآن کا مذاق اڑایا۔ کانوا عنہا معد صنین کے مصداق مسلمانوں نے حسینا کا نعرہ لگا کر اعراض و انحراف کی حد کر دی۔

حسینا کا نعرہ صرف عسرت ہی سے کنارہ کشی اور یزاری کا اعلان نہ تھا بلکہ عقیدہ نبوت و رسالت سے بھی روگردانی و اعراض کا اظہار ہے اس لئے کہ جب حسینا کا نعرہ بلند کیا گیا تو اسی وقت یہ بھی کہا گیا کہ دَعُوا الرَّجُلَ فَرَأَيْتُمْ لِيَهْجَرَ (یعنی چھوڑو اس مرد کو کیوں کہ یہ حتماً اور یقیناً ہزیان کہہ رہا ہے) ملاحظہ کیجئے کلمہ الرَّجُلِ خود اعتقاد نبوت کا گلا گھونٹ رہا ہے اگر قائل آنحضرت کو نبی اور رسول ماننا ہوتا تو یہ نہ کہتا کہ "اس مرد کو چھوڑو" زیادہ سے زیادہ "نبی کو چھوڑو" کہہ سکتا تھا۔ فرمائیے! جن لوگوں کا اعتقاد نبوت پر نہ ہو وہ حسینا کا نعرہ لگا کر قرآن کو سینہ سے کیسے لگا سکتے ہیں۔

قیامت ہے یہ کہنا کہ مسلمانوں نے قرآن کو سینے سے لگا کر رکھا۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں نے جس طرح قرآن سے منہ موڑا اور احکام قرآنی کی خلاف ورزی کی دنیا کی کسی قوم نے اپنی مذہبی کتاب سے اس طرح روگردانی اور اختلاف نہ کیا ہوگا ورنہ خلاف میں اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ پیش ہو رہا ہے۔ مدعیہ سرکار رسالت کی اکلوتی بیٹی عصمت کہری سیدہ زہراؑ اور مدعا علیہ صدر جمہوریہ عربیہ

اور رئیس انتظامیہ ہیں۔ میں نے اپنی نوعیت کا واحد مقدمہ اس لئے کہا کہ دنیا کی پہلی اور شاید آخری مثال ہے کہ جو مدعا علیہ ہے۔ وہی وکیل ہے، گواہ ہے اور پھر جج بھی ہے۔ صدیقہ مدعیہ نے گواہ پیش کئے اور اتفاق سے ان گواہوں کو پیش کیا جو اپنی صداقت کی وجہ سے اتنے باوقار تھے کہ رسالت و نبوت کے گواہ بن کر نصاریٰ بجز ان کے مقابلے میں گئے تھے اور ان گواہوں کی شخصیت سے نصاریٰ بجز ان اس طرح مرعوب ہوئے کہ اپنی شکست تسلیم کر لی ان گواہوں کے علاوہ مدعیہ نے ام ایمن بیسی جنتی بی بی اور آیات قرآنی کو بھی پیش کیا اور مدعا علیہ کے پاس صرف ایک لاوارث حدیث جس کا کوئی گواہ نہیں اس کے باوجود مدعیہ کی جہوریہ کے صدر نے مقدمہ خارج کر دیا۔ فرمائیے کیا مدعا علیہ نے معر اپنی جماعت کے سیرت انبیاء فرمانِ خدا، کردارِ نبی، حکمِ قرآن اور دستورِ دنیا سے اعراض و انحراف اور روگردانی نہیں کی تعلیمات قرآنی سے متہ نہیں ہوئے؟ یہ لوگ میں جنہوں نے حسین کا نعرہ بلند کر کے دنیا کو مبتلائے فریب رکھا ہے۔ آیاتِ الہی جنہیں عزت کہہ کر نبیؐ کی مسمت مسلمانوں کے درمیان چھوڑا ان کا حال یہ ہے کہ دو۔ دو۔ تین۔ تین روزہ فلتے کرتے ہیں۔ صاحبِ مناقب کہتے ہیں کہ:-

”جناب سیدہ نے اپنی چادر زید یہودی کے پاس گروی رکھ دی اور اس سے کچھ جو قرض لئے جب زید اپنے گھر میں داخل ہوا تو سارا گھر نور سے معمور پایا اپنی عورت سے پوچھا کہ یہ نور کیسا ہے اس نے جواب دیا کہ ہمارے گھر میں حضرت فاطمہ زہراؑ کی چادر ہے پس وہ اور اس کی عورت

اور اس کے ہمسائے کل ۸۰ آدمی فوراً ایمان لے آئے۔

معصومہ عالم کے سر سے مس ہو جاتے والی چادر بھی آیت الہی بن گئی۔ ۸۰ آدمیوں کو اس چادر نے دولت ایمان سے مالا مال کر دیا یہ برکت و سعادت اسی کی چادر میں ہو سکتی ہے جو خود آیت الہی ہو اور اگر کوئی آیت الہی نہیں ہے تو ایسی ذات اگر خلاف حکم قرآنی گھر سے نکل کر فوج کی کمانڈر ہو جائے اور میدان جنگ میں اگر لمبی چوڑی تقریر بھی کرے تو بے کار بلکہ اس کا اثر اور مضر رونما ہوگا (صلوٰۃ)

قرآن اور محترمت سے مُنہ موڑنے والوں نے نبی کی اکلوتی بیٹی کو اتنی اذیتیں پہنچائی کہ صابرہ اور مظلومہ نے فریاد کی۔ بابا آپ کے بعد مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ دفن پر پڑتیں تو وہ رات کی طرح تاریک ہو جاتے۔

سنگدلوں نے پیغام کہلوا دیا۔ "علیؑ! رسولؐ کی بیٹی سے کہہ دیجئے۔ دن کو روئیں یا رات کو ان کے گریسے ہمالا آرام خرام ہو گیا۔ علیؑ نے پیغام پہنچایا یا دغا رنجیدہ تے کہا۔ "ابوالحسنؑ آپ ان سے نمازیں کہیں ان کے درمیان زیادہ دن نہیں ہوں گی مگر جب تک رہوں گی بابا کو روئیں گی۔ آہ باپ کو روئے والی اب خود روئنا چھوڑ رہی ہے۔ کیزیں مسجد کی طرف دوڑیں۔ راستہ میں جناب امیر سے ملاقات ہوئی آپ نے ان کو سرا سیمہ دیکھ کر پوچھا "کیا حال ہے" انھوں نے عرض کیا جلد تشریف لے چلے حالت خیر ہے۔

آپ بیت الشرف میں آئے دیکھا یادگار رسالت بے ہوش ہے۔ سر زانو پر رکھا آواز دی۔ "زہرا" جواب نہیں ملا۔ پھر پکارا "بنت رسولؐ" پھر جب

آواز نہ آئی تو تیسری بار خطاب کیا۔ فاطمہؑ سیدہ زہراؑ نے آپؐ کو بھینکھولیں اور وصیت کی۔

”ابن عم! اگر رضا جوئی میں کوئی کمی کی ہو تو معاف کر دیجئے گا۔
اے ابوالحسن! اب یہ بچے بن ماں کے ہوں گے اگر خلاف مزاج
کوئی امر سرزد ہو تو درگزر کیجئے گا۔“

عصر کی نماز کے لئے جناب امیر مسجد میں تشریف لے گئے ابھی آپ مسجد
ہی میں تھے ایک بارگی مسایا ابتکامانت اُمّنا ربابا ہماری اماں مر گئیں، علیؑ
نے مڑ کر دیکھا حسینؑ بچکیاں لے لے کر رو رہے ہیں۔ انھیں ساتھ لے کر روتے
ہوئے گھر میں آئے تو زینبؑ و اُمّ کلثومؑ کو بچھاڑیں کھاتے دیکھا۔ بن ماں کی
بچیاں دوڑ کر باپ سے پٹ گئیں۔ بابا ہماری اماں کیا ہوئیں۔ ”آہ کون
ہے جو علیؑ کو سہارا دیتا۔ چند گنے صحابی ہیں جو دروازے پر ہیں علیؑ نے بنت
رسولؑ کو غسل دینا شروع کیا۔ غسل دیتے دیتے فاتح خیرا یکبارہ چیخ کر رونے
علیؑ کے رونے کی آواز سلمان نے سنی۔ ”آہ کون سی مصیبت پڑی کہ میرا صاحبزادہ
امامؑ چیخ کر رویا ادھر سلمان پریشان ادھر علیؑ نے کفن پہنایا بچوں کو آواز دی۔
”اؤ آخری بار ماں کو اور دیکھ لو۔“ مگر جس وقت بچوں نے رونا شروع کیا
کفن سے ایک نحیف آواز آئی۔ ”آہ“ اور دونوں ہاتھوں سے بچوں کو سینے سے
لگا لیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آواز نہ آئی علیؑ بچوں کو علیحدہ کر لیجئے۔ جب
علیؑ برآمد ہوئے تو جناب سلمان نے دستِ ادب جوڑ کر پوچھا ”میرے صابر
امامؑ چیخ کر کیوں روئے؟“ علیؑ نے رو کر جواب دیا ”آہ سلمان کیا بتاؤں!

جب میں بنت رسولؐ کو غسل دے رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ زہرا کے پہلو کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ سیدہ مرثیہؑ مگر مجھ سے کبھی اظہار تک نہیں کیا۔ سلمانؑ اعظم اس کا ہے کہ میں زندہ رہا اور سیدہ کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ لیجئے زمانہ کار ہنگ بدل گیا۔ رسولؐ پر رونے والی نے کوچ کیا جس ابتلا کے جو خراش نالے سنائی نہ دیں گے۔ کہدواہل مدینہ سے اب آرام کریں۔ علیؑ جنازہ لے کر قبر نبیؐ پر آئے آواز دی السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! اللہ کے نبیؐ آپ کی امانت لایا ہوں۔ آپ کے بعد ہم پر کیا گزر گئی سیدہؑ بتائیں گی۔

مجلس ہشتم

اخوتِ اسلامی

از عمدہ الناطفین مولوی رضی الدین حیدر صاحب ایم۔ اینچ بیاد کا بی بی اکلبد
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝
وَأَحْلِلْ عُقْدَةَ مِنِّي لَسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَلْ لِي
وَدَّيْرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَلْ رَوَىٰ عَنْهُ أَشَدُّ دُبَّةً أَنَرِدِي ۝ وَاشْتَرِكُهُ فِي
أَمْرِي ۝ نَسَبَكَ كَثِيرًا ۝ قَدْ نَدَّكَ كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَابِئًا
رَّسُولًا ۝ ان آیات میں خلاق عالم نے متاع قلبی کبھی کو بطور دُعا پیش فرمایا
ہے۔ دل کی متنا و عابن کر اس وقت زبان پر آ رہی ہے جب حکم ہو رہا ہے کہ

اے موسیٰ اب تم فرعون کی طرف جاؤ اس نے بہت سراسیمہ رکھا ہے۔ اِذْ هَبْ
 اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ لَمِنَ الْمُفْسِدِیْنَ حکم حضرت احدیت کا وزن تبلیغ رسالت کی اہمیت
 موقع کی نزاکت، موقف کی سختی اور وقت کی بات۔ فوراً زبان کبھی بارگاہ مولیٰ
 میں گویا ہوئی غرض کرتے ہیں پروردگار۔ تعمیل حکم کی منزل میں قدم اٹھا رہا ہوں
 میرے لئے میرے سینے کو کشادہ فرما یعنی مجھے اس امر عظیم ایسے بادشاہ پر نجات
 و شوکت کے دربار میں رشد و ہدایت کے کام کی انجام دہی کے لئے جرات و لیری
 عطا فرما، اور میرا کام میرے لئے آسان فرما دے اور میری زبان سے کلمت
 کی گرہ کو کھول دے تاکہ میری بات لوگوں کی سمجھ میں آ سکے۔ اور میرے کہنے
 والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر مقرر کر دے جو اس کا سا ہم
 میں میرا بوجھ بٹا سکے اور اس کے ذریعے سے میرے پشت کو قوی کر دے اور
 میرے کام میں اس کو میرا شریک بنا دے تاکہ ہم دونوں مل کر تیری پیروی کریں
 اور کثرت سے تیری یاد کو قائم کریں۔ تو تو ہماری حالت دیکھ ہی رہا ہے۔
 دُعا ختم ہوئی کلیم کی۔ دُعا حتی شرف قبولیت نے مژدہ سنایا۔ ایک ایک
 کر کے سب دُعائیں مستجاب ہوئیں۔ قدرت نے دونوں کو اس ہم پروردگار
 فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ثُمَّ اَمْرًا سَلْنَا مُوسٰی وَاٰخَاةَ هٰرُونَ بِاَلَّا يَنْتَابَا
 سُلٰطٰنَ مِیْمٰنٍ، اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَاِئِمِّہٖ فَاَسْتَكْبَرُوْا وَاٰکَاوُفًا مَّعَالِیْقًا
 (پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور واضح نشانیوں
 دلیل کے ساتھ فرعون اور فرعونوں کی طرف بھیجا تو ان لوگوں نے کبر و غرور کیا
 اور وہ جتنے ہی بڑے سرکش ان آیات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ کار تبلیغ

و ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ اپنا بھائی ساتھ ہو، اخوت و محبت کے رشتے ہجوم افکار و آلام میں سہارا بنیں تاکہ نتیجہ کامیاب اور مفاد تبلیغ اپنے نقطہ کمال پر پہنچے۔ دراصل یہ ایک قرآنی تعلیم ہے کہ ہم مفاد اجتماعی کے لئے کام شروع کرنے سے پہلے اپنے لئے شریک کا تلاش کریں اور اس کے لئے بھائی سے زیادہ موزوں فرد اور کون ہو سکتی ہے جو احساس و شعور اور اقدام و عمل میں اپنے کو برابر کا ذمہ دار سمجھے پھر سب لوگ ایک برادرانہ جذبہ کی سرشاری کے ساتھ سعی و عمل میں مصروف ہو جائیں۔ اسی سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت کے نزدیک بھی اجتماعی نظم کی تشکیل امت کے لئے سبب خیر و برکت ہے نہ غم خودی اور پندار انفرادیت کے استیصال کے لئے بھی ضروری ہے کہ افراد ایک دوسرے کے ساتھ بھائی برادری کا تعلق رکھیں تاکہ جب کسی مشترک مسئلہ پر غور کرنے کا موقع آئے تو ہر فرد مساویانہ حیثیت سے اس مسئلے سے متعلق ہو اور پھر برابر سے دپٹی لے لی ہو ورنہ کہ اسلام نے اتحاد و اجتماع کے مقابلے میں فرد کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کو ہمیشہ نظر انداز کیا ہے البتہ یہ بشرط ہمیشہ رکھی ہے کہ وہ اتحاد و اجتماع میں حق و انصاف کے اصول پر قائم ہو باطل کے تشدد و نظام سے پاک ہو۔ اسلام جو ایک ہمہ گیر برادری کا علمبردار ہو کر آیا ہے اسے ہر اس تحریک و اقدام سے بیزاری ہے جو فرد کو نوع سے بیگانہ اور شخص کو ملت سے بے تعلق بنا دے۔ پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ میں اخوت اسلامی کی تشکیل کے واقعات ایسے ملتے ہیں جو اس کی اہمیت پر کافی تیز روشنی ڈالتے ہیں ایک قبل ہجرت مکہ میں

دوسرا بعد ہجرت مدینہ میں۔ اگر اسلام کے ابتدائی دور میں صرف ایک ہی حق پر یہ عمل کیا گیا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ یہ ایک وقتی اور ہنگامی ضرورت نہ ہی ہو گی۔ تھوڑے سے لوگ تھے ان میں ہم خیالی اور یک جہتی پیدا کرنے کیلئے ایسا کیا گیا تھا مگر بعد ہجرت مدینہ میں پھر اس کا اعادہ بتاتا ہے کہ یہ وقتی اور ضمنی عمل نہیں تھا بلکہ روح اسلامی کی حقیقت اس میں مضمر تھی تعلیمات اسلامی کی بنیاد اسی جذبہ پر قائم ہونے والی تھی غرض کہ اوائل اسلام میں جب کفار قریش کے مظالم سے مٹھی بھر مسلمانوں میں تاب مقاومت ختم ہونے لگی تو جناب رسالتؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی لیکن پہلے دو دو ہاجرین میں ان کی افتاد طبیعت اور یک رنگی فطرت کا لحاظ فرماتے ہوئے برادرانہ رشتہ قرار دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کا بھائی حضرت عمرؓ کو حضرت حمزہؓ کا بھائی حضرت زید بن حارثہؓ کو حضرت عثمانؓ کا بھائی عبدالرحمان بن عوفؓ کو زبیر بن عوامؓ کا بھائی ابن مسعودؓ کو عبیدہ بن الحارثؓ کا بھائی حضرت بلالؓ کو مصعب بن عمیرؓ کا بھائی سعد بن ابی وقاصؓ کو۔ ابو عبیدہؓ کا سالمؓ کو سعید بن زیدؓ کا طلحہؓ بن عبید اللہؓ کو اور اپنی اخوت کا شرف اپنے بن عم اپنے بھائی علیؓ ابن ابی طالبؓ کو عطا فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مُحَمَّدٍ

یہ اسلام کا نقطہ آغاز ہے جب اخوت و محبت کی تخم ریزی یوں دست پیر سے ہو رہی تھی یہ اس بات کا اعلان ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں کیوں کہ یہی ایک رشتہ ایسا ہے جس میں عقلی، علمی اور عملی ہر حیثیت سے حقوق و فرائض میں مساوات پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں اور جتنے رشتے ہیں وہ یا تو کثیر حقوق اور زیادہ فرائض کے طلب گار ہیں یا ہجرت

حقوق اور کم فرائض پر قانع ہیں مثلاً باپ بیٹے کا رشتہ، چچا بھتیجے کا رشتہ، ماموں بھانجے کا رشتہ۔ ان میں ہرگز وہ برابری نہیں، ہرگز وہ تاثرات نہیں ایک بڑا ہے تو دوسرا چھوٹا۔ ایک باپ ہے تو دوسرا اس کا بیٹا اب حقوق بھی الگ الگ قائم ہوں گے اور فرائض بھی جدا جدا معین ہوں گے اور پھر ان میں ایک قسم کا فطری تفوق و ترجیح، ایک قسم کا رکھ رکھاؤ اور تکلف ضرور نمایاں رہے گا لیکن بھائی کا صرف ایک ایسا رشتہ ہے جو طرفین کے حقوق کو برابر قرار دیتا ہے اور فرائض میں بھی یکسانیت پیدا کرتا ہے۔ اگر احمد محمود کا بھائی ہے تو محمود بھی احمد کا بھائی ہے اسی برادارانہ احساس کو جسے ہم اسلام کا نظام اخوت کہہ سکتے ہیں پیغمبر مصلیٰ بھر مسلمانوں کے اندر پیدا کر کے اسلام کے بڑھتے ہوئے ہمہ گیر دائرہ کی وسعت میں اس طرح سمودینا چاہتے تھے کہ جیسے جیسے یہ دائرہ بڑھتا جائے بھائی چارہ کا احساس بھی پھیلتا چلا جائے جب کیسی اور جہاں کہیں ایک مسلمان آفات ارضی و سماوی کا شکار ہو تو دوسرے مسلمان اس طرح تڑپ اٹھیں کہ گویا وہ خود ان حادثات سے دوچار ہیں۔ ایک کی تکلیف دوسرے کی اذیت کا باعث ہو اور ایک کی خوشی دوسرے کی مسرت کا سبب ہو۔

یہ تھا اسلام کا برادارانہ نظام اور سب سے زیادہ ہم پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی، سب سے زیادہ ہم اس کے مستحق ہوتے تھے کہ اسے قبول کریں، اس کی تعمیل کریں اور دوسرے لوگوں اور جماعتوں کے لئے ایک مثال بنیں۔ مگر حیف کہ ہمیں سب سے زیادہ اس کی نعمتوں سے اور برکتوں سے محروم ہو گئے

اختلاف و اختلاف ہماری زندگی کے نمایاں پہلو بن گئے۔ شر اور فساد میں ہم کو دلچسپی ہونے لگی جو جتنا ہم سے قریب ہے اس کے لئے ہم اتنا ہی زبردست عکرب ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے خاندان تباہ ہماری جماعتیں پر انگڑے، ہمارے افراد پریشان، ہماری بستیاں ویران، ہمارے دل سنان ہماری پوری زندگی پر موت کی اُداسی چھائی ہوئی ہے اب ہم مشکلات میں کیا مسکرائیں گے جب آسانیوں میں بھی مُنہ پر ہوا بیاں اڑا کرتی ہیں۔

حضرت خود اندازہ فرمائیے کہ جس گاؤں، شہر یا بستی میں بھی ہمارے دو گھر ہوتے ہیں وہاں کبھی نہ ختم ہونے والی کیسی نامتقول جنگ چھڑی جیتی ہے اور سب سے زیادہ بد نصیبی کی بات تو یہ ہے کہ چاہے اور معاملات میں تعلقات بھی برتے جائیں۔ ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی گوارا کر لیا جائے مگر عزت اداری سید مظلوم کے معاملے میں اتنا ہی شدید مخالفت کہ غلطہ بُدِ اخلاقی دل رونے کو جی چاہتا ہے کاش ہماری ملت بھی سمجھتی کہ ردنے والوں کو پھر کسی اور بات سے کیا واسطہ۔

برادران عزیز! اب بھی چونکیے! افلاس و ادبار کا شمس نصف النہار اب تو ہمارے سردوں پر پوری شدت سے چمک رہا ہے اب یہ گراں خوابی کب تک؟ اچھے روٹھے ہوؤں کو سینے سے لگائیے۔ اتحاد و اتفاق کا درس فرماؤ! پڑھئے اور پڑھائیے پیغمبر اسلام کے خواب تعمیر ملت کو اب زیادہ پریشان نہ ہونے دیجئے یہ ایسا ضروری پیغام تھا۔ یہ ایسا صالح نظام تھا کہ خدا کے حبیب نے ہجرت کے فوراً ہی بعد مدینہ میں پہنچتے ہی پھر مسلمانوں کے درمیان

صیغہ مداخلت جاری فرمایا تاکہ ایک مرتبہ کی بات اگر مسلمانوں کے ذہن سے نکل جاتے تو یہ دوسری یاد دہانی پھر انھیں تنبیہ کر دے وہ شراب اخوت سے شراب ہو کر تعلیمات اسلامی کا حیات بخش جام زندگی کے پیاسوں کو پلاتے رہیں آج دنیا اسی بھائی چارے اور اخوت و الفت کے لئے تڑپ رہی ہے مگر خود غرضی و بے حسّی اور فقدان، ایشاد و قربانی نے اسے اس حد تک محروم و بالوس کر دیا ہے کہ اسے جب تک یہ دنیا زیرِ رایت اسلامی نہ آجائے گی جب تک اسلام کی غیر فانی نعمتوں کو تسلیم نہ کرے گی، جب تک ایک ملک کے رہنے والے دوسرے ملک کے لوگوں کو اپنا بھائی نہ سمجھنے لگیں گے، جب تک روس، امریکہ کے خود پسند ایندروید میں تبدیلی نہ ہوگی اور ان کی انسانیت پوری انسانی برادری کو ایک وحدت تسلیم نہ کرے گی اس وقت تک ایٹم اور نکلیر وینٹس کا دھڑکا ہر وقت لگا رہے گا اور یہ خطرہ کبھی کم نہ ہوگا بلکہ بڑھتا ہی جائے گا۔

پیغامات اسلامی کی ابدیت سے انکار کرنے والے لاکھ انکار کریں مگر یہ ایک دعوت، اخوت ہی ایسی ہے جو ہمیشہ کے لئے رحمت و الفت کا ایک حیات آفریں پیغام ہے اور رب العالمین کی جانب سے ہر اس سال و پریشاں انسانوں کے واسطے ایک لازوال انعام ہے۔

خدا کا حبیب جب مدینہ پہونچا یہاں اسلام کی برادری دو جہتوں پر تقسیم تھی ایک ہاجر دوسرے انصار۔ اس لفظی بعد اور خیالی دوری کو مٹانے کے لئے ابوالفضلؓ لکھتا ہے کہ حضرت نے ہاجرین و انصار کے درمیان پھر دو آدمیوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ حضرت ابوبکر کا خارجیہ زید انصاری کو۔ ابو عبیدہ ابن الجراح کو سعد

بن معاذ انصاری کا حضرت عمر کو عثمان بن مالک انصاری کا، عبدالرحمان بن عوف کا سعد بن ربیع انصاری کو، حضرت عثمان کو اوس بن ثابت انصاری کا، طلحہ بن عبید اللہ کو کعب بن انصاری کا اور عبید بن زید کو ابی بن کعب انصاری کا۔

علامہ سہموی خلاصۃ الوفایں لکھتے ہیں کہ پھر پیغمبر عالی مقام نے حضرت علی بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم نے جس طرح مکہ میں رشتہ اخوت قائم کیا تھا مدینہ میں بھی اس کا اعادہ فرمایا اور دونوں موقعوں پر حضرت علیؑ کے لئے فرمایا تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہم صلی علی محمد و آل محمد۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کا رشتہ اخوت حالات کے بدلنے سے بدل سکتا تھا مگر جو مکہ میں رسول کا بھائی تھا وہی مدینہ میں بھی رہا۔ مزاج نبوت پر غیر مصوم کو اپنا بھائی قرار دینا بارگاہِ اسی و ہر سے یہ بھی فرما دیا کہ یہ میرا وہ بھائی ہے جس کی اخوت حیات دنیا کی انتہا پر ختم ہونے والی نہیں بلکہ آخرت کی لاؤڈ و مستوں میں بھی یہ رشتہ برقرار ہے گا جب کہ وہاں سب رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے یعنی حضرت نے اس اعلان اخوت کو حد و زمان و مکان کی تیس سے بھی آزاد رکھا اب علیؑ کی اخوت عنال گیر ابدیت ہے۔ اللہم صلی علی محمد و آل محمد۔

کیا کہنا اس بھائی کا جس نے ہر ہر موقع پر بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا اب علیؑ کون ہیں۔ دعوت ذوالعشیرہ کا اہتمام کرنے والا، ہجرت کی شب فرشتہ پیغمبر پر کھینچی ہوئی تلواروں میں آرام کرنے والا۔ بدر و احد و خیبر و خندق میں کار فرمایا

کرنے والا، کفار قریش کے مجمع میں تنہا سورہ براءت لے جا کر سنانے والا حبیب
میں صلحنامہ کی کتابت کرنے والا، فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ سے بتوں کو نکالنے
والا غزوہ تبوک کے موقع پر مثیل ہارون بننے والا، میدانِ مباحہ میں نفسِ نبویؐ
ہونیوالا۔ غدیر خم میں نبیؐ کے ہاتھوں پر بلند ہونیوالا مومنین کا مولا بننے والا۔
من کنت مولا فهذا اعلیٰ مولا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔
تاریخ اسلام میں حیات کا کوئی ایسا دن نہیں ملتا جب علیؑ سے جُدا نظر
آتے ہوں۔ یہی ہر موقع پر ساتھ دینے والا، سفر و حضر ہر جگہ حضور رسالت میں
حاضر رہتے اب حجۃ الوداع کے بعد اللہ کا رسولؐ مرض الموت میں مبتلا ہے،
آخری وقت ہے رسولؐ اللہ کا سر آغوشِ علیؑ میں ہے فرماتے ہیں کہ بھیا جب
دیکھنا کہ لوگوں نے دُنیا کو اختیار کیا ہے تو تم آخرت کو اختیار کرنا یہ کہتے کہتے
روح حبیبؐ بارگاہِ محبوب میں پہنچی، گھر میں کہرام مچ گیا۔ بیٹی نوہ و رکابیں
مصرف ہے۔ نواسے گریہ و زاری کر رہے ہیں۔ علیؑ نے غسل دیا کفن پہنایا اور
اپنے ہی ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔ کیا کہنا قوتِ بازو کا بھائی کی رفاقت کا بونہی
حق ادا کیا جاتا ہے۔ تاریخ میں ایک بھائی اور ملتا ہے جس نے اپنے دست و
بازو ہی اپنے بھائی پر نثار کر دیے۔ عاشقِ کادِ دل ہے صبح سے شام ہونے کو
آ رہی ہے ایک ایک مجاہدِ حق و فدا ادا کر رہا ہے مگر جب وفاؤں کا آقا ذل
جنگِ طلب کرتا ہے۔ جب عباس طالبِ رخصت ہوتے ہیں تو امام فرماتے
ہیں بھیا! تم تو علمبردارِ شکر ہو، علم کی زینت ہو، بہنوں کا سہارا اور میرے
دل کی طاقت ہو۔ عباسؑ پھر خاموش ہو جلتے ہیں وفا کے تقاضے بار بار کرتے

ہیں۔ شوق شہادت کی حرارت کو تیز کرتے ہیں مگر حکم امام کے محبت آمیز چھپنے
 اسے سرد بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ ایک ایسا بھی وقت آ گیا کہ بس امام ہیں
 اور بس عباسؑ! حاضر ہوئے اور سلام رخصت کیا۔ امام نے فرمایا کہ عباسؑ تم
 تو علمبردارِ لشکر ہو اب عباسؑ کی طاقتِ دل نے جواب دے دیا۔ اب ضبطِ نہ
 ہو سکا عرض کیا۔ مولیٰ یہ صحیح ہے میں علمدارِ لشکر ہوں مگر آقا! اب وہ لشکر
 کہاں ہے جس کا میں علمدار تھا یہ سنا تھا کہ کاردارِ شہادت کے سب مرتے
 حسینؑ کے سامنے آگئے آسمانِ منہ نے گے سر جھکا لیا کہا، اچھا بھتیجا جاؤ خدا
 حافظ مگر اپنی پیاری بھتیجی سکینہ کے لئے پانی کی کوئی سبیل کرنا اب عباسؑ
 ابن علیؑ لشکرِ حسینؑ کا علمبردارِ اہلبیت رسول کا سقہ مشک سکینہ دوش پر رکھے
 ایک ہاتھ میں اسلام کا علم دوسرے ہاتھ میں شمشیرِ کبارہ مجاہدانہ شان و شکوہ اور
 سرفروشانہ عزم و ارادے کے ساتھ گھوڑے پر سوار نہرِ کارِ رخ کئے میدان
 میں آئے۔ دشمن کی فوجوں میں تلاطم ہو گیا کہ عباسؑ حسینؑ کا قوتِ بازو، علیؑ
 کا شیرِ اسلام کا سپاہی، پیاسوں کا سقہ آ رہا ہے۔ فوجیں منظم ہو ہو کر صف بستہ ہو
 رہی ہیں شیرِ کارِ رخ کچھار کی طرف دیکھتے ہی آہن پوش رسلے گھاٹ پر مسلط
 ہو گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساحل اور عباسؑ کے درمیان کوہِ کی دیواریں
 حائل ہیں مگر تاریخِ انسانیت میں جرات و دلیری کا یہ واقعہ کبھی بھلایا نہیں
 جا سکتا کہ ہزار ہا ہزار دشمن ایک مردِ مجاہد کو روکنا چاہتے ہیں۔ عباسؑ کے شیرِ
 حملے نے ان کی صفیں توڑ دیں، انہیں منتشر کر دیا اور ساحل سے اتنی دور ہٹا دیا
 کہ اطمینان سے نہ رہیں گھوڑا ڈالا۔ سوکھی ہوئی مشک سطحِ آب پر رکھ کر حرکی،

پھر پانی بھرا پیاسے نے چلو میں پانی لیا اور پھر حقارت سے پھینک دیا ہائے
اس وقت عباس کو کس کس کی پیاس نہ یاد آئی ہو گی۔ صبح سے ارباب کارواں
کی پیاس خصوصاً وہ شبیہ پیغمبر کا امام سے سوال آب اس نے تو وفادار کا دل
ہی تڑپا دیا ہو گا پھر بیسیوں کی پیاس، بچوں کی پیاس، سیکنے اور جھوٹے
میں دم توڑتے ہوئے نیم جاں اصغر کی پیاس، امام وقت کی پیاس جس کی نگاہ
میں شدت عطش کے باعث مابین زمین و آسمان بس دھواں ہی دھواں تھا۔

عباس نے پانی پھینک دیا۔ بھری ہوئی مشک ڈھنک رکھی، پیاسے ہی دریائے نخل
آئے، وفادار کے وفا شعار گھوڑے نے بھی لب تر نہ کئے اب اس عرصہ میں
بھاگی ہوئی فوج ندامت شکست اور غم و غصے میں ڈوبی ہوئی پھر صفت آسا
ہو گئی اب ہر ایک کی یہ کوشش ہے کہ عباس نخل کے جانے نہ پائیں پانی پانی
تک پہنچنے نہ پائے۔ ہر طرف سے وار ہو رہے ہیں، تیروں کی بارش ہے،
نیزوں کی لپک تلواروں کی چمک ایسے طوفانِ تلاطم میں ایک شیر ہے جو گرج
رہا ہے۔ عباس انتہائی جوش و خروش کیساتھ جنگ نما رہے ہیں علم کا پھر پر اٹھا
میں اڑ رہا ہے جدھر جدھر علم گردش کرتا ہے امام کی نظریں اُدھر اُدھر
گھومتی ہیں علم قریب ہو رہا ہے مولا کے چہرے پر طمانیت کے آثار پیدا
ہیں بچے بھی اس لگائے خاموش کھڑے ہیں۔ دفعۃً علم جھکا امام کے چہرے
کا رنگ اڑنے لگا ہاتھوں سے دل پکڑ لیا مگر فوراً ہی علم پھر بلند ہو گیا
مولانے شکر خدا کیا ٹوٹی ہوئی امیدیں پھر قائم ہو گئیں اب سب کی نظریں علم
پر تہی ہوئی ہیں کہ اسی اثناء میں علم دوبارہ سرنگوں ہوا لیکن اب جھکا تو پھر

بلند نہ ہوا۔ کنار ساحل سے شیر کی آواز گونجی بھائی میری خبر لیجئے حسینؑ
 نے دونوں ہاتھوں سے کمر پکڑ لی اور فرمایا اسٹ ان کسوت ظہری دقت
 حیلتی (بھتی تیرے مرنے سے میری کمر ٹوٹ گئی اور راہ چارہ و تدبیر
 مفقود ہو گئی۔)

دنیا نے احساس و شعور کی روح اگر کہیں سے مل جائے تو شاید کچھ انداز
 کیا جاسکے کہ اس وقت قلب حسینی کی کیا حالت ہوئی ہوگی مرثیہ پڑھتے ہوئے لاش
 عباسؑ پر پہنچے دیکھا آخری جھکیاں آ رہی ہیں، بھائی نے بھائی کا سر آغوش
 میں لے لیا۔ سرنگاتہ سے خون مثل پر نالہ بہہ رہا تھا حسینؑ نقش وفا کو یوں
 مٹتے دیکھ کر ہنسا رہے ہو گئے بھائی کی لاش سے اٹھے اور تلوار لے کر دشمنوں پر
 ٹوٹ پڑے فرما رہے تھے بھاگتے کہاں ہو۔ تم نے میرے بھائی کو تو مار ڈالا بھائی
 کہاں ہو تم نے میرے بازو کو تو شکستہ کر دیا۔ ہائے کیا منظر حسرت و اندوہ تھا
 ابھی کچھ پہلے عباسؑ مشک و علم لے کر خیمہ سے میدان میں گئے تھے مشک و علم
 لے کر اب سید مظلوم واپس آ رہے ہیں۔ اب تلوار کہاں ساحل پر موجیں
 اور خیمے میں بیاباں سر ٹپک رہی ہیں اور حسینؑ جہاد آخری کی تیاری کر
 رہے ہیں۔

مجلس نہم^۹

زجر علی عبادہ

(حدیث پیغمبر)

(از علی بن ابی حمزہ صاحب الیم کام)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي زَجْرِ عَلِيٍّ عِبَادًا ۝

انسان کا یہ دستور سامن گیا ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی بات پیش کی جاتی ہے تو وہ یہ معلوم کرنے کی سعی و کوشش کرتا ہے کہ یہ بات کس نے کہی ہے اگر وہ بات کسی ایسے انسان نے کہی ہو جس کے پاس تاج و تخت ہے جس کے پاس مال و مناع ہے جس کے پاس ہمد و منصب ہے، جو جاہ و جلال کا مالک ہے جس کے پاس دولت و ثروت ہے جس کے پاس اختیار و اقتدار ہے تو اس کی بات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے لیکن اگر وہی بات کوئی ایسا انسان کہہ رہا ہو جس کے پاس دنیاوی ہمد و منصب طبل و علم و حشم و خدم ملک و مال تاج و تخت نہ ہو تو اس بات کو وقعت نہیں دی جاتی مگر مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ اس بات کا جائزہ لو کہ کیا کہا جا رہا ہے مگر قطع نظر اس اصول کے اگر ہم اس حیثیت سے بھی

دیکھیں کہ جو بات میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہے اس کا کہنے والا کون ہے تو یاد رکھیے یہ اس نبی کا فرمان ہے جو دنیا میں جتنے انبیاء تشریف لائے دنیا میں جتنے مرسلین آئے نیز دنیا میں جتنے پرچم توحید کے بلند کرنے والے آئے جس رسول کا عز و وقار اور جس پیغمبر کا عہدہ و مرتبہ تمام انبیاء و مرسلین پر فوقیت و برتری رکھتا ہے اور صرف اس قدر ہی نہیں کہ رسول الخضر تمام انبیاء و مرسل کے صفات و کمالات کے جامع ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اگر آپ ممتاز انبیاء کرام کے ان محاسن و عمائد نیز معجزات و مناقب کو جن کے لئے وہ دنیا میں مشہور ہوئے کسی ایک ذات میں مجتمع دیکھنے چاہیں گے تو وہ سرور کائنات کی ذات گرامی ہوگی جس میں آدم کا علم بھی نظر آئے گا موسیٰ کی ہدایت بھی ابراہیم کی خلعت بھی نظر آئے گی عیسیٰ کا دہر بھی۔ اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے جناب خیر لکھنوی مرحوم کے وہ دو بند یاد آ رہے ہیں جن میں انھوں نے پیغمبر اسلام میں انبیائے مابین کے فضائل و مناقب کے جمع ہونے کو نہایت خوبصورت پیرائے میں شعری قالب میں ڈھالا ہے۔

چہرہ ہے آئینہ خلق جناب آدم صورت شیت ہے عرفان کا دل میں عالم
رتبہ خلعت کا ملا مثل خلیل اکرم نوح کی طرح شجاعت میں کسی نہیں کم
صبر ابوب ملاہیمیت موسیٰ پائی
مثل اسحاق رضاحت کی سرا پائی

بندہ حضرت صالح کی نصاحت بھی ملی اسے یعقوب پیغمبر کی بشارت بھی ملی
حضرت لوط کی حکمت بھی فراست بھی ملی سب سے بڑھ کر سند بحث شامت بھی ملی

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

انچ خوباں ہمہ دازند تو تنہا داری

بہر حال رسول اللہ کے صفات و کمالات کا ذکر کہاں تک کیا جائے کیونکہ رسول اللہ کی زندگی ایک نہایت ہمہ گیر اور آفاقی زندگی ہے۔ اگر رسول اللہ کی حیات طیبہ محض ایک نوعیت و حیثیت سے عامۃ الناس کے سامنے آئی ہوتی تو اس حیثیت کا تذکرہ کر دیا جاتا اور سیرت نبی کا بیان ختم ہو جاتا لیکن رسول اللہ کی زندگی اتنی حیثیتوں سے ہمارے سامنے آئی ہے کہ اگر محض ان حیثیتوں ہی کا تذکرہ کیا جائے جن سے رسول اللہ نے اپنی زندگی پیش کی ہے تو ان حیثیتوں کے بیان کرنے کے لئے گھنٹوں درکار ہیں۔ کیوں کہ رسالت کی زندگی محض ایک رسول اور پیغمبر ہی کی زندگی نہیں بلکہ رسول اللہ کی زندگی۔ ایک بچ کی زندگی بھی ہے۔

ایک مقصد کی زندگی بھی ہے۔

ایک معاشرہ معاشرہ کی زندگی بھی ہے۔

ایک نئی تہذیب، نئے تمدن، اور نئی جماعت سے دنیا کو روشناس

کرنے والے کی زندگی بھی ہے۔

ایک سپہ سالار کی زندگی بھی ہے۔

ایک کشور کشا کی زندگی بھی ہے۔

ایک فاتح و حکمران کی زندگی بھی ہے۔

ایک مزدور کی زندگی بھی ہے۔

ایک فاقہ کش کی زندگی بھی ہے۔

کتنی زندگیاں ہیں جو زندگی رسولؐ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ پھر مختصر وقت میں سیرت رسولؐ بیان کی جائے تو کیونکر۔ یہ بات بھی میں اپنی جانب سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں یہی بات سیرت رسولؐ کی ہمہ گیری سے متعلق ارشاد فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص مولائے کائنات حضرت علیؑ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے علیؑ ابن ابی طالبؑ! کمالات رسولؐ بیان کیجئے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اپنے مقام پر سوچا کہ اگر رسولؐ میں محض چند اوصاف و خصوصیات ہوتے تو ان کا بیان کر دیا جاتا مگر پیغمبر اسلامؐ تو صفات و کمالات کے جامع تھے لہذا ان کے محامد و محاسن کس طرح بیان کئے جائیں لہذا علیؑ ابن ابی طالبؑ علیہ السلام نے فضائل رسولؐ کے تذکرہ کرنے کا ایک نیا انداز اختیار فرمایا۔ آپؐ نے سائل سے دریافت کیا کہ دنیا میں کون کون سی چیزیں پائی جاتی ہیں، سائل نے کائنات عالم کا جائزہ لینا شروع کیا یہ شمار اور لاتعداد چیزیں ابھر کر اس کی نگاہوں کے سامنے آنے لگیں۔ وہ شخص متحیر ہو کر حضرت علیؑ سے کہتا ہے۔ اے علیؑ ابن ابی طالبؑ! دنیا میں اس کثرت سے چیزیں پائی جاتی ہیں کہ میں ان کے نام نہیں شمار کر سکتا۔ بس اسی بات سے علیؑ ابن ابی طالبؑ نے فضیلت پیغمبرؐ کا گوشہ پیدا کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خلاق کائنات قرآن مجید میں دنیا کی چیزوں کو قلیل کہہ رہا ہے جب تم قلیل کا احاطہ نہ کر سکے تو میں اس پیغمبرؐ کے اخلاق کو کیوں کہ بیان کر سکتا ہوں جس کے اخلاق کو خالق کائنات

عظیم کہہ رہا ہو۔ **وَ اِنَّكَ عَلَىٰ خَلْقِ عَظِيمٍ**۔
 رسولؐ کے جملہ محاسن اپنی جگہ پر تمام کمالات اپنے مقام پر مگر سرور کائنات
 کا یہ وصفِ خصوصی اپنے مقام پر ایک امتیازِ خاص کا مالک ہے کہ ہمارا نبی وہ
 جلیل القدر مرسل ہے جس کے فعل پر بھی نصِ قرآنی ہے اور جس کے عمل پر بھی
 نصِ قرآنی جس کے عمل کے لئے ارشادِ ربّانی ہو رہا ہے۔ **قُلْ اَنَا خَلَوَاتِي وَ**
نَسْلِي وَ مِهْيَا بَا وَ مَتَاتِي اللّٰهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

اے رسولؐ کہہ دیجئے میری نماز، میری جملہ عبادتیں، میری پوری زندگی
 اور موت اللہ کے لئے ہے۔ قرآنِ کریم نے سیرتِ النبیؐ کو اس عنوان سے پیش
 کیا ہے کہ پیغمبرِ اسلام کی محض نماز ہی اللہ کے لئے نہیں محض تمام مناسک ہی
 اللہ کے لئے نہیں صرف مکمل حیاتِ طیبہ ہی اللہ کے لئے نہیں بلکہ موت بھی اللہ
 کے لئے ہے۔ یہ قرآن نے خاص طور پر مرگِ پیغمبرؐ کو اللہ کے لئے کیوں کہاتا کہ
 مسلمان اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ جس پیغمبرؐ کی موت تک اللہ کے لئے
 ہوگی وہ بسترِ مرگ سے کوئی ایسا پیغامِ اُمت کو نہیں پہونچا سکتا جسے معاذ اللہ
 ہدیان سے تعبیر کیا جاسکے۔ پھر قرآنی آیت کے تیور ملاحظہ ہوں۔ قرآن کی آیت
 محض یہی نہیں کہہ رہی ہے کہ رسولؐ تمہاری نماز اور جملہ عبادتیں ہی اللہ کے
 لئے ہیں بلکہ خاتمِ المرسلینؐ کی پوری زندگی اللہ کے لئے ہے تو اب پیغمبرؐ جو عمل
 کریں گے وہ اللہ کے لئے ہوگا اگر کسی کی تعظیم کے لئے ایسا تادمہ ہوں تو وہ بھی
 اللہ کے لئے ہے۔ اگر کسی کو دوش پر سوار کریں تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے، اگر
 کسی کے لئے ناقربین جائیں تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ محض رسولؐ کے عمل پر نص قرآنی ہو بلکہ رسولؐ کے قول کی ذمہ داری بھی خلاق کائنات نے یہ کہہ کر اپنے متعلق کر لی کہ ہمارا رسولؐ نفسانی خواہشات سے کچھ نہیں کہتا وہ تو محض وہی کہتا ہے جو اللہ کی وحی ہوتی ہے۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ رسولؐ کی رسالت پر ہمارا ایمان و عقیدہ ہے اور ہم یہ سمجھتے بھی ہیں کہ رسولؐ حکم خدا کا تابع ہے تو پھر ہم سے یہ بات کیوں کہی جا رہی ہے کہ رسولؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے اور وہ تو محض وہی پیغام امت تک پہنچاتے ہیں جو اللہ کا ارشاد ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ رسولؐ نے کچھ شخصیتوں کی مدح سرائی فرمائی ہے۔ حضرت علیؓ کی تعریف و توصیف کی جو آپؐ کے ابن عم، داماد اور آغوش کے پروردہ تھے۔ جناب فاطمہ زہراؓ کی مدح بیان فرمائی جو آپؐ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرات حسنین علیہم السلام کے فضائل و مناقب بیان کئے جو آپؐ کے نواسے، میوہ دل اور خنجرِ چشم تھے۔ تو دنیا یہ بات کہہ سکتی تھی اور آج کچھ دشمن رسولؐ کہتے بھی ہیں کہ رسولؐ نے حضرت علیؓ علیہ السلام کی جو مدح سرائی فرمائی وہ اس لئے کہ وہ ان کے بھائی، داماد اور پروردہ آغوش تھے جناب صدیقہ، طاہرا کی جو فضیلتیں بیان کیں وہ اس لئے کہ وہ ان کی صاحبزادی تھیں۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی جو تعریف فرمائی وہ اس لئے کہ یہ حضرات ان کے نواسے تھے تو قرآن کی آیت پڑھ کر ٹوٹے گی کہ رسولؐ اپنی جانب سے کچھ نہیں کہتا۔ رسولؐ قربت داری، رشتے داری اور نفسانی خواہشات کی بنا پر کچھ نہیں ارشاد فرماتے بلکہ وہ تو وہی فرماتے ہیں جو حکم الہی ہوتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ رسولؐ نے اہلبیت کی شان میں جو

احادیث ارشاد فرمائی ہیں وہ اس لئے نہیں کہ یہ حضرات پیغمبر کے قریب ہوتے تھے بلکہ ان کے لئے ارشاد ربانی یہی تھا اور اہلبیت علیہم السلام میں وہ عظمتیں اور جلالیتیں موجود تھیں کہ رسول بھی تعریف کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔

بہر حال وہی پیغمبر جو اپنی جانب سے کچھ کلام نہیں کرتا حضرت علیؑ کے مرتبہ و وقار سے دنیا کو روشناس و متعارف بناتے ہوئے یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔ رسولؐ نے تشریح بھی فرمادی کہ علیؑ کا ذکر عبادت کیوں ہے۔ اس لئے کہ علیؑ کا ذکر میرا ذکر ہے اور میرا ذکر اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر عبادت ہے اس لئے علیؑ کا ذکر خیر بھی عبادت ہے۔

یہ کوئی رسمی بات نہیں ہے جو ہماری مجالس و محافل میں بیان کی جاتی ہے بلکہ یہ حقائق ہیں کہ جن کی ترجمانی بار بار کی جاتی ہے اگر میں مسلسل کئی گھنٹے آپ کے سامنے حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب بیان کرتا رہوں اور بیان ختم ہونے کے بعد کوئی شخص آپ سے یہ پوچھے کہ جن علیؑ کا تم تذکرہ خیر سن رہے تھے وہ علیؑ کون تھے تو صحیح بتائیے مختصر سا جواب کیا ہو گا۔ یہی ناکہ ہانشین پیغمبرؐ تھے محمد مصطفیٰؐ کے وارث تھے، سید المرسلینؐ کے نائب تھے تو ذہن بشری سوچنے پر مجبور ہو گا کہ جب قائم مقام ایسا ہے تو پیغمبرؐ کی شان و عظمت کیا ہو گی علیؑ کے ذریعے ہم نبیؐ تک پہنچے اور جب رسولؐ کی نعت خوانی شروع کی، زندگی مرسل کے مختلف پہلو نمایاں کرنا شروع کئے اور ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ جن رسولؐ کے تم کمالات بیان کر رہے ہو وہ محمد کون تھے؟ صحیح بتائیے مختصر سا جواب کیا ہو گا یہی ناکہ رسولؐ اللہ تھے، حبیب کبریا تھے اللہ کے فرستادہ

نبی و پیغمبرؐ تھے تو دماغ انسانی سوچے گا کہ جب پیغمبرؐ کی یہ شان ہے۔ رسولؐ کی یہ منزلت ہے تو جس اللہ نے اسے نبی بنا کے دنیا میں بھیجا ہے وہ خالق کن جلالوں کا مالک ہوگا علیؑ ہی کے در سے ہم خدا تک پہنچتے ہیں بہر حال سسے کی یہ کرپاں ہیں جنہیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔

متحدہ وجہ ہیں کہ جن کی بنا پر حضرت علیؑ کے تذکرے کو عبادت قرار دیا گیا پہلی وجہ تو یہ ہے کہ علیؑ کا تذکرہ سننے کے بعد معرفت خلاق کائنات بڑھتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک بندے میں یہ صلاحیت ہے کہ جب وہ آفتاب کی جانب اشارہ کرتا ہے تو وہ اپنے مرکز سے پلٹ آتا ہے۔ جب وہ منگیزیا کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو سنگ پڑے تسبیح و تحلیل و تقدیس باری کرتے ہیں۔ جب وہ دیوار کی جانب اشارہ کرتا ہے تو دیوار اپنا رنگ بدلتی ہوئی نظر آتی ہے اور جب وہ درختوں کی جانب سے گذرتا ہے تو درخت تعظیم کے لئے جھک جاتے ہیں تو ہمارا ذہن و دماغ سوچے گا کہ جب بندے کی یہ شان ہے، حب عبد و مخلوق کی یہ وقعت و بلندی ہے تو خلافت کی عظمتیں کیا ہوں گی۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ذکر جمیل اس لئے کبھی بھی عبادت قرار دیا گیا ہے کہ ان کا تذکرہ خیر سننے کے بعد ہم میں عبادت خداوندی کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے کیونکہ آپ حضرت علیؑ کی ابتدائی زندگی سے لے کر انتہائی زندگی تک نظر ڈال جائیں آپ کو مولا سے کائنات کی پوری زندگی عبادت سے مملو نظر آئے گی۔ کبھی آپ یہ دیکھیں گے کہ منبر پر ہیں اور خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں کبھی آپ کو یہ منظر نظر آئے گا کہ میدان جلال و قتال میں کفار و مشرکین و

منافقین سے مصروفِ جہاد ہیں۔ کبھی آپ یہ دیکھیں گے کہ فریضہ نماز کی ادائی فرما رہے ہیں۔ کبھی آپ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ جناب منیم نماز کی دوکان پر بیٹھے ہوئے خرے فروخت فرما رہے ہیں، کبھی یہ نظر آئے گا کہ یہودی کے باغ میں سینچائی کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کوئی شخص یہ سوچنے لگا ہو کہ نماز پڑھنا یا پڑھنا یہ تو عبادت ہے منبر پر جا کر خطبہ ارشاد فرمانا یہ بھی عبادت ہے، کفار و مشرکین سے برسرِ پیکار ہوتا یہ بھی عبادت ہے لیکن منیم نماز کی دوکان پر بیٹھ کر خرے فروخت کرنا اور یہودی کے باغ میں سینچائی کرنا عبادت کیوں کر ہو گیا۔ نو اس مقام پر میں ایک بات یہ کہنا چاہوں گا کہ وہ دنیا کے دیگر مذاہب ہوں گے کہ جن کے نزدیک عبادت محض اللہ کے حضور میں عزم و اشتیاق ہی پیش کرنے کا نام ہے لیکن اسلام وہ جامع و مکمل مذہب ہے جس نے محض عقبتی سنوارنے کی تعلیم نہیں دی بلکہ ہمیں دنیا میں بہترین زندگی گزارنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ اسی لئے سرور کائنات نے واضح الفاظ میں یہ ارشاد فرمادیا کہ وہ میرا امتی ہرگز نہیں ہے جو دین کو دنیا کے لئے ترک کر دے اور میرا امتی وہ بھی نہیں ہے جو دنیا کو دین کیلئے چھوڑ دے غرض دعا و غایت یہ ہے کہ میرا امتی وہ ہے جو درمیانی راستہ اختیار کرے کہ اسے عقبتی بنائیں گی بھی فکر ہو اور دنیا میں بہتر زندگی گزارے گا بھی خیال ہو۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عبادت بہتر حصوں پر مشتمل ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے اہل و عیال کی پرورش کیلئے سباز ذرائع سے رزق حاصل کرے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے مزید تشریح کے طور پر یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ انسان جب فکرِ معاش کر رہا ہوتا ہے تو اس کے جسم سے جو پسینہ جاری ہوتا ہے وہ

ایسا ہے جیسا کہ کوئی مجاہد راہ خدا میں تلواریں کھا رہا ہو اور اس کے جسم سے خون جاری ہو۔ اللہ اللہ یہ ہے اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری کہ اس میں مجاہد راہ خدا کا خون اور کب حلال کرنے والے کا پسینہ مساوی قرار دیا گیا ہے۔

پھر یہ بات بھی ذہن نشین رکھیے کہ اسلام کے بادلوں اور رہبروں اور دوسرے مذاہب کے پیشواؤں اور سربراہوں میں ایک بنیادی فرق ہے دیگر مذاہب کے بانیوں اور علمبرداروں نے محض اقوال و ارشادات کے ذریعہ تعلیم دی ہے اس کی عملی نظریں اور عملی مثالیں دنیا کے سامنے نہیں پیش کیں۔ مگر ہمارے مذاہب کے رہنما وہ ہیں جنہوں نے محض زبان ہی سے تعلیم نہیں دی بلکہ جو کچھ زبان سے کہا اسے پیکر عمل میں ڈھال کر بھی دنیا کے سامنے پیش کر دیا تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے سامنے عملی نمونہ تو تھا نہیں اس لئے ہم یہ نہ سمجھ سکے کہ اس حکم کو یا مہم عمل کیوں کر پہنچائیں۔ چنانچہ اسی فکر معاش کے سلسلے میں ایک واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

امام محمد باقر علیہ السلام علیل ہیں۔ دو صحابیوں پر ترکیہ کئے ہوئے فکر معاش کے لئے جا رہے ہیں۔ ایک وہ شخص جو یہ سمجھا ہے کہ اسلام نے ترک دنیا کی تعلیم دی ہے اور رہبانیت کا سبق پڑھایا ہے سامنے آتا ہے اور عرض کرتا ہے۔ یا بن رسول اللہ! آپ بیمار ہیں مگر اس ہنگام میں بھی آپ کو فکر دنیا ہے کہ دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے روزی کمانے کے لئے جا رہے ہیں۔ امام نے کہا کہ یہ بھی عبادت ہے۔ مگر وہ شخص نہ مانا اور اس نے سوال کیا کہ مولا اگر آپ کو اس عالم میں موت آجائے تو وہ موت کیسی ہوگی تو وہ اشخاص میں سے جو یہ کہتے

یہ کہ "RELIGION IS ON OPIOUM") (مذہب ایک اِیم ہے، جس میں فکرِ معاش کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ ہمارا پانچواں ہادی یہ کہتا ہوا نظر آ رہا ہے کہ اگر میں اپنے اہل و عیال کی پردوش کے لئے جائزہ ذرائع سے روزی حاصل کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو مجھے شہادت کا مرتبہ و قارطے گا۔

حضرت علی علیہ السلام کا ذکر کیوں نہ عبادت قرار پائے جب کہ قرآن حکیم کی تلاوت عبادت ہے۔ میں اپنے سامعین سے ایک سوال یہ کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کا پڑھنا عبادت کیوں ہے۔ جواب ملے گا کہ قرآن مجید کی تلاوت کو تلاوت اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس کی تلاوت کے بعد ہمیں ادا و نواہی اسلام سے آگاہی ہوتی ہے جس وجہ سے قرآن کا پڑھنا عبادت ہے اس وجہ سے حضرت علیؑ کا تذکرہ کرنا عبادت ہے۔ قرآن میں دیکھتے جائیے کہ حکم کیا ہے علیؑ کی سیرت میں دیکھتے جائیے کہ ان پر عمل درآمد کس طرح کیا جاتا ہے۔ ایک قول سے تعلیم ہے دوسری عمل کے ذریعے تعلیم۔ قرآن صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جائیگا کہ نماز قائم کرو مگر جب تیروں کی بارش ہو رہی ہوگی۔ جب بیڑوں کا مینہ برس رہا ہوگا اور جنگ اپنے شباب پر ہوگی علی ابن ابیطالبؑ مصیبت بھگتا رہے ہوں گے قرآن میں محض یہ حکم ملے گا کہ اللہ کی راہ میں زکوٰۃ دو مگر وہ مولائے کائنات اور خاندانِ اہلبیتؑ ہوگا جو مسلسل تین دن تک اپنے کھانے کی روٹیاں سائل کو دیتا ہوا نظر آئے گا اور خود پانی سے روزہ افطار کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ قرآن یہ کہے گا کہ کفار و مشرکین سے جہاد کرو مگر حضرت علیؑ علیہ السلام شجاعت

و بہادری۔ دیکری و دلاوری، نبرد آزمائی و تیغ زنی کے ایسے مرقعے کھینچیں گے کہ قرآن کو تشریف کرنا پڑے گی کہ وہ تو میدان جنگ میں اس طرح جم جاتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہر حال جملہ احکام اسلامی کو اگر آپ جسم شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں وہ فات امیر المؤمنین میں جلوہ گر نظر آئیں گے لیکن ایک بتا اس مقام پر کہہ دینا غائبے محل نہ ہو گا کہ حضرت علیؑ کا مرتبہ و وقار اس قدر بلند ہی نہیں ہے کہ وہ تمام احکام قرآنی کی بجا آوری کرتے رہے ہوں بلکہ نفس اللہ کی شان تو ہیں اس سے بھی زیادہ اعلیٰ و ارفع نظر آتی ہے کبھی جو حکم قرآن ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں اور کبھی جو ان کا عمل ہوتا ہے وہ قرآن کی آیت بن جاتا ہے۔

نماز کا حکم آیا انھوں نے نمازیں پڑھیں روزے کا حکم آیا انھوں نے روزہ رکھا، حج کا حکم دیا گیا یہ حج کے مناسک بجالائے اور کبھی ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ یہ چادر کے نیچے آگئے۔ آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ انہوں نے حالت رکوع میں انگوٹھی دی۔ آیہ انما نازل ہوئی اور انہوں نے کھانے کی روٹیاں سائل کو دیں تو سورہ و ہر نازل ہوا۔

کیوں نہ ہو مولائے کائنات کا ذکر خیر عبادت جب کہ علیؑ وہ ہیں جن کا اٹھنا عبادت، جن کا بیٹھنا عبادت جن کا سونا اور جن کا جاگنا عبادت ایسے الفاظ جب ہم اپنی مجالس و محافل میں استعمال کرتے ہیں تو ایک طبقہ کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس فرقہ کو شاعری کا بڑا ذوق ہے اور ان کا تمام تر سرمایہ شاعری ہی شاعری ہے دیکھئے کیسے الفاظ صرف کہ دیئے کہ علیؑ کا کھڑا ہونا، بیٹھنا،

سونا اور جاگنا سب عبادت ہے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ شاعری نہیں ہو رہی ہے۔ یہ مبالغہ آرائی اور ہوائی قلم بند ہی نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت کا اظہار ہے ہر وہ انسان جس نے تاریخ اسلام پر طائرانہ نظر بھی ڈالی ہے یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اگر علیؑ اٹھے ہیں تو حفاظت اسلام کے لئے اگر مولا بیٹھے ہیں تو تحفظ اسلام کی خاطر اگر امیر المومنین چلے گئے ہیں تو بقائے اسلام کی غرض سے اور علیؑ سوئے ہیں تو رسولؐ کی جان بچانے کے سامان فراہم کرنے کیلئے موقع و محل نہیں ہے کہ اس سلسلے میں دلائل و براہین پیش کئے جائیں کہ علیؑ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا، جاگنا کیوں عبادت ہے۔ اس وقت تو صرف یہی بات پیش کرونگا کہ علیؑ کا سونا عبادت ہے اگر کسی کو یہ دیکھنا ہے کہ علیؑ کا سونا کیوں عبادت ہے تو واقعاتِ شبِ ہجرت کا جائزہ لے کہ جب پیغمبرؐ کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی جانب روانہ ہونے والے ہیں۔ رسولؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ ابن ابی طالب! آج کی شب تم میرے بستر پر آرام کرو تو اس وقت وہ علیؑ جو رسولؐ کے ہر حکم کو جامہ عمل پہنانے میں ذرا بھی پس و پیش نہ فرماتے تھے یہ دریافت فرماتے ہیں یا رسول اللہ! کیا میرے بستر پر سو رہنے سے آپ کی جان بچ جائے گی۔ پیغمبرؐ فرماتے ہیں ہاں اے علیؑ! اگر تم آرام کرو گے تو یقیناً میری جان کا تحفظ ہو جائے گا۔ میں مولا سے ایک سوال کرنا چاہوں گا کہ اے امیر المومنین! آپ تو سرورِ کائنات کے ہر حکم کو بلا تامل پیکرِ عمل میں ڈھالتے کو اپنے لئے باعثِ شرف و سعادت سمجھتے تھے آج آپ نے یہ سوال کیوں فرمایا کہ آپ کے بستر پر سو رہنے سے رسول اللہؐ کی جان بچے گی یا نہیں۔ شاید امیر المومنینؑ یہ جواب دیں کہ پیغمبرؐ

کی زبان سے یہ کہلو کر قیامت تک کے لئے اس بات کا اعلان کرادیتا چاہتا ہوں کہ علیؑ کا سونا بھی اس شان کا ہوتا ہے کہ نبیؐ کی جان کا تحفظ ہوتا ہے۔

تاریخ اسلام نے شب بھرت کے واقعات کو اپنے دامن میں محفوظ کرتے ہوئے دو شخصیتوں کے کردار ہمارے سامنے پیش کر دیے ہیں۔ ایک وہ جو پیغمبرؐ کے بستر پر کھینچی ہوئی تلواروں کے سائے میں نہایت سکون و آرام کے ساتھ سو رہا ہے اور ایک وہ جو رحمت اللعالمینؐ کے ساتھ ہے مگر وہ سو رہا ہے یہ دوسری بات ہے کہ آج ہم نواسہ رسولؐ پر جو گمراہی کرتے ہیں وہ بدعت ہے اور خلیفہ المسلمین نے جو گمراہی کیا وہ بدعت نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خلیفہؓ اول اس لئے گمراہ فرما رہے تھے کہ کفار و مشرکین کو یہ معلوم ہو جائے کہ رسول اللہؐ اس غار میں موجود ہیں اور وہ اگر انہیں نہ تیغ کر دیں بلکہ وہ اس لئے رورہے تھے کہ کہیں رسولؐ قتل نہ کر دیے جائیں، کہیں رسولؐ فرج نہ کر دیے جائیں تو معلوم ہوا کہ تصور شہادت رسولؐ پر آنسو بہا رہے تھے جب تصور شہادت پر اشک افشانی کی جاسکتی ہے تو بعد شہادت حسینؑ آنسوؤں کا سیلاب کیوں نہ بہایا جائے۔

ادھر علیؑ ابن ابی طالبؓ بستر پیغمبرؐ پر آرام سے سو رہے ہیں ادھر عزراؑ پر خالق کائنات فات علیؑ پر فرشتوں میں فخر و مباہات کرتا نظر آ رہا ہے۔ دو ملائکہ کو منتخب کیا گیا اور ارشاد ربانی ہوا کہ ہم نے ایک کی عمر کو دوسرے پر زیادہ کیا۔ کون ہے جو اپنی عمر کا زیادہ حصہ دوسرے کو دیدے دونوں ملک

یہی کہتے ہیں کہ اسے پروردگار! تو ہماری ہی عمر کو طول دے تاکہ ہم زیادہ عرصہ تک تیری تسبیح و تحلیل کر سکیں۔ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ دیکھو فرش زمین کی جانب۔ علیؑ عمر میں چھوٹے ہیں محمدؐ عمر میں بڑے ہیں مگر علیؑ نے کس طرح اپنی جان نبیؐ پر نچھاور کر دی ہے بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ شب بھر حضرت علیؑ نے ایسا قربانی خلوص و عظمت جان بازی دسرفروشی کا جو معجز العقول کا نامہ انجام دیا تھا وہ درگاہ باری میں اس قدر پسندیدہ قرار پاتا ہے کہ اللہ چار ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ فرش زمین پر اور ایک علیؑ کے دائیں جانب ایک بائیں جانب ایک سر ہانے اور ایک پائنتی بیٹھ کر رات بھر علیؑ کی خدمت میں ہر بہ تبریک و تہنیت پیش کرتے رہو۔ چاروں ملک آئے اور شب بھر علیؑ کی خدمت میں ہر بہ مبارک باد پیش کرتے رہے۔ اس مقام پر میں ایک سوال کرنا چاہوں کہ ملائکہ کا کام کیا ہوتا ہے۔ ہر شخص جواب دے گا عبادت خداوندی۔ اب سوچئے اگر علیؑ کا تذکرہ عبادت نہ ہوتا تو خالق کائنات اپنا ذکر چھوڑ کر ملائکہ سے علیؑ کا تذکرہ کرنے کو کیوں کہتا۔

مگر جب ہم لفظ عبادت استعمال کرتے ہیں تو ہمیں کچھ اور عبادت گزار اطاعت شعار متقی و پرہیزگار یاد آ جاتے ہیں وہ ہیں حسینؑ کے جاں بازو جاں نثار۔ جنہوں نے ایسے ہنگام میں عبادتیں کیں کہ چشم فلک نے ایسے عالم میں عبادت کرنے والے نہ دیکھے ہونگے یاد کیجئے کہ بلا کا وہ قیامت خیز ہنگام روز عاشورہ وہ پہرے کے وقت کہ بلا کا ریگ ڈار دھوپ کی شدت، تمازت

آفتاب، لیکن جیسے ہی نماز ظہر کا اقل وقت آتا ہے امام حسینؑ کے ایک صحابی ابو ثامہ صیداوی آگے بڑھتے ہیں۔ مولا! یہ نماز ظہر کا وقت ہے دل چاہتا ہے یہ نماز بھی آپ کے ساتھ بجماعت پڑھوں۔ امام فرماتے ہیں۔ ہاں یہی نماز ظہر کا اول وقت ہے۔ اور انہیں برستے ہوئے تیروں میں حسینؑ اور ان کے اعلان و انصار نمازوں کے لئے ایستادہ ہو جاتے ہیں مگر آج سید الشہداءؑ آگے نہیں ہیں بلکہ امام کے آگے بھی دو صحابی کھڑے ہوئے ہیں کہ کوئی تیر آئے تو اپنے اوپر روکیں، کسی تلوار کا دار ہو تو اپنے اوپر لے لیں۔ کیا کہنا شیعہ حسنینت کے پر دانوں کا۔ مولا کو نہایت اہتمام سے نماز پڑھوالی لیکن کہاں تھے نماز عصر کے وقت جب مولا ایک ایک صحابی کو پکار رہے تھے عینا عینا حبیب ابن مظاهر عینا عینا مسلم ابن عو سیعہ عینا عینا علی اکبرؑ لیکن کوئی نہ تھا حسینؑ مظلوم کی نصرت و اعانت کو آتا تمام انصار و اعزاء جام شہادت نوش کر چکے تھے اب یہ عالم تھا۔

نہ لشکرے نہ سپاہے نہ کثرت الناس
نہ قاصمے نہ علے اکبرؑ نہ عیائے

امام مظلومؑ خود فوج جہاد کے سامنے آئے اپنا تعارف کرایا جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے لیکن جو نہیں جانتا وہ جان لے کر میں محمد مصطفیٰؐ کا نواسہ ہوں! میں علیؑ مرتضیٰؑ کا فرزند ہوں میں فاطمہؑ نہ ہوں اگر جگر گوشہ ہوں لیکن کیا دنیا داسے حسینؑ مظلوم کے مرتبے سے آگاہ ہوئے نہیں نہیں! بلکہ کوئی تیر لگانے لگا کوئی تلوار کا وار کرنے لگا اور جس ملعون کے پاس کچھ نہ تھا وہ چھوٹی

میں پتھر بھرے ہوئے تھا اسی سے امام مظلوم کو اذیت پہنچا رہا تھا یہاں تک کہ مولا سے گھوڑے پر نہ سنبھلا گیا زمین پر تشریف لائے۔ شمر ملعون نے ایسا غضب کیا کہ مولا کے سروتن میں جدائی ہو گئی فرات کا پانی نیزوں اچھلنے لگا اور یہ آواز آئی علی قتل حسین کا یہ کربلا و علی بن ابی محل حسین بکربلا جناب زینب خیمے میں تھیں کیا دیکھتی ہیں کہ زمین کربلا بل رہی ہے اور فضا کے بلا میں تاریکی پھیلی ہوئی ہے بیمار بیٹے کو جگایا اسے زمین العابدین! کیا غش کے عالم میں ہو۔ دیکھو کیا دنیا میں قیامت آگئی۔ یہ زمین کربلا کو لرزہ کیوں ہے اور یہ فضا تیرہ و تار کس لئے ہے سید الساجدین نے فرمایا پھوپھی اماں! ذرا پردے کو ہٹائیے گا جناب زینب نے پردے کو ہٹایا۔ سید سجاد نے کیا منظر دیکھا کہ امام کا سر نوک نیزہ پر بلند ہے امام نے فرمایا۔ السلام علیک یا ابا عبد اللہ السلام علیک یا بن رسول اللہ۔

حسینؑ شہید ہو گئے مگر مصائب و شدائد کا خاتمہ نہ ہوا بلکہ ایک دفتر تکالیف آلام ہے جس کا آغاز شہادت حسینؑ کے بعد ہوا جب دشمنان دین علی اکبرؑ کے سینے پر بر بھی لگا چکے، قاسم کی لاش پامال سم اسپان کر چکے جب لگوٹے بے شیر چھید چکے حسینؑ کا سر کاٹ کر نوک نیزہ پر بلند کر چکے تھے تو اشتیاء متوجہ ہوئے خیام حسینی کی طرف ایک خیمے میں آگ لگان گئی تو بی بیاں دوسرے خیمے میں چلی گئیں دوسرے خیمے میں آگ لگی تو سیدانیاں تیسرے خیمے میں تشریف لے گئیں یہاں تک کہ ایک ساتھ تمام خیموں میں آگ لگا دی گئی جب ایک ساتھ تمام خیمے جلنے لگے تو جناب زینبؑ نے جو تھے امام سے پوچھا بیٹا تم امام وقت ہو بتاؤ کون تمہیں

غیموں میں جل کر مر جائیں یا باہر نکلیں امام وقت نے آسمان کی جانب دیکھا اور فرمایا کہ چھوچی اماں اب پردے کا کون سا وقت ہے غیموں سے باہر نکلے اس وقت جبرئیل دمیکاہیل کی شہزادیاں غیمے سے باہر اس طرح آئیں کہ ہاتھ پس گردن سے بندھے ہوئے، سروں پر ردائیں بھی نہ تھیں اور ایک منادی آگے آگے نداء دے رہا تھا۔ یہی علی وفا طمہ کی بیٹیاں ہیں جن کو تماشہ دیکھنا ہو دیکھ لے۔

صرف یہی مصیبت نہ تھی کہ در در پھر ایاجار ہا ہو بلکہ ایسے قید خانوں میں بھی ٹھہرایا گیا جہاں دن کی دھوپ اور رات کی اوس گرتی تھی ان کو اپنے والی وارثوں کا ماتم بھی نہیں کرنے دیا گیا اگر کسی کی آنکھ سے آنسو نکلتا تھا تو اشتیاق و نیرہ سے افیت پہنچاتے تھے اور یہ مصائب چند روزہ نہ تھے بلکہ ایک مدت دراز تک اہل حرم کو ان سختیوں اور زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے جس کا اندازہ ایک روایت سے بھی ہوتا ہے کہ جب شام کے وقت اپنے آشیانوں کی جانب جاتے ہوئے جناب سکیئہ دیکھتی تھیں تو اپنی چھوچی جناب زینب سے دریافت کرتی تھیں۔ چھوچی اماں! یہ طائر کہاں جا رہے ہیں؟ جناب زینب فرماتی تھیں: بیٹا! طائر اپنے آشیانوں کی طرف جا رہے ہیں۔ جناب سکیئہ نو سر پڑھتی تھیں۔ چھوچی اماں! طائر تو اپنے آشیانوں کی طرف جا رہے ہیں مگر ہمیں اپنے وطن جانا نصیب نہیں ہوتا۔

زیارت جناب امام حسین علیہ السلام

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ - السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَنَ رَسُولِ اللَّهِ
السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَى جَدِّكَ وَأَبْنِكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّكَ وَ
أَخِيكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَى الْأُمَّةِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ وَبَيْنِكَ - السَّلَامُ
عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ الدَّامَةِ السَّالِكَةَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ
الْمُصِيبَةِ الرَّائِبَةِ فَقُتِلَتْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ مَقْهُورًا وَأَصْبَحَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَالْإِلَهُ بِكَ مَوْتُورًا وَأَصْبَحَ كِتَابُ
اللَّهِ يَفْقِدُكَ مَهْجُورًا السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

زیارت جسد انصار و معصومین علیہم السلام

السَّلَامُ عَلَى أَنْصَارِ اللَّهِ وَخُلَفَائِهِ السَّلَامُ عَلَى أُمَّتِ اللَّهِ
وَاجْتِبَائِهِ السَّلَامُ عَلَى مَحَالِّ مَعْرِفَةِ اللَّهِ وَمَعَاوِنِ حِكْمَةِ اللَّهِ
وَحَفَظَةِ سِرِّ اللَّهِ وَحَمَلَةِ كِتَابِ اللَّهِ وَأَوْصِيَاءِ نَبِيِّ اللَّهِ وَ
ذُرِّيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ
بَرَكَاتُهُ

زیارت جناب امام رضا علیہ السلام

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا غَرِيبَ الْغُرَبَاءِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا
مُعِينَ الضُّعَفَاءِ وَالْفُقَرَاءِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا

شَسُّ الشُّمُوسِ هَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أُنَيْسَ الثُّقُوسِ هَ
 السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْمَدْفُونِ بِأَرْضِ طُفَيْسِ هَ
 السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُغِيثَ الشَّيْعَةِ وَالزُّقَاةِ فِي يَوْمِ
 الْجَزَاءِ هَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سُلْطَانَ الْعَوَالِمِ يَا أَبَا الْحَسَنِ يَا
 عَلِيَّ ابْنَ مُوسَى الرِّضَا هَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ
 بَرَكَاتُهُ۔

زیارت حضرت صاحب العصر مجمل اللہ فرجہ

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ الْعَصْرِ وَالزَّمَانِ هَ
 السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيفَةَ الرَّحْمَنِ هَ السَّلَامُ عَلَيْكَ
 يَا شَرِيكَ الْقُرْآنِ هَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا إِمَامَ الْأَنْبِيَاءِ
 وَالْمُجَانِّ هَ الْأَمَانُ الْأَمَانُ الْأَمَانُ مِنْ فِتْنَةِ الزَّمَانِ هَ عَجَّلَ اللَّهُ
 فَرَجَكَ هَ وَسَهَّلَ اللَّهُ مَخْرَجَكَ هَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ
 اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ